ذوالقعدۃ/ ذوالحجہ/محرم الحرام
علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ
جولائی اگست 2020

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

موٹو ہتھوڑی کی بادشاہت

قرآن وسنت اور اولیائے کرام کی دعاؤں کا نادر مجموعہ

مستند مجموعۂ وظائف

حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ
تصدیق شدہ

اب ایپلی کیشن میں بھی دستیاب ہے۔

جس میں آپ حاصل کریں گے:

- سورۂ کہف، سورۂ یٰس مع فضائل
- سورۂ رحمٰن، سورۂ واقعہ مع فضائل
- مستند درود و سلام و ستر استغفار
- اسمائے حسنیٰ مع اسم اعظم و چہل ربنا
- جادو، غم و پریشانی اور بیماری سے حفاظت کی دعائیں
- سفر، نماز، حفاظت و عافیت اور صبح و شام کی دعائیں

GET IT ON Google Play

اس کوڈ کو اسکین کریں
یا
اس نام سے تلاش کریں
Mustanad Majmoa Wazaif

www.mbi.com.pk
مکتبہ بیت العلم

Scan the above code or search
Mustanad Majmoa Wazaif
on Play Store

Shangrila
THE FOOD EXPERTS!
IMLI GINGER SAUCE
BAR-B-Q SAUCE
GREEN CHILLI SAUCE
GARLIC CHILLI SAUCE
SHANGRILA KETCHUP AND SAUCES
TASTY!
DELICIOUS!
KHAANON KAY MUST HAVES!
TOMATO KETCHUP
SMART PACK
Tantalize your taste buds
TOMATO KETCHUP
www.shangrila.com.pk
ShangrilaPakistan
ShangrilaPakistan

USWA
EDUCATION WORLD
U.E.W
Nurturing Young Souls
اسوہ ایجوکیشن ورلڈ
داخلے جاری ہیں
حفظ القرآن
ناظرہ اور مکتب کلاسیں بچوں اور بچیوں کے لیے
پلے گروپ
مونٹیسوری لیول ۱
مونٹیسوری لیول ۲
کلاس ۱ تا ۵
خصوصیات
دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ
نظم وضبط اور اسلامی شعار کی پابندی
فیس کم، معیار اعلیٰ
مستعد اور تجربہ کار اسٹاف
تعلیم کے ساتھ تربیت کا خاص اہتمام
نصابی اور ہم نصابی سرگرمیاں
داخلے جاری ہیں برائے
پلے گروپ، مونٹیسوری لیول (۱) مونٹیسوری لیول (۲)
کلاس (۱ تا ۵) اور (شعبہ حفظ و ناظرہ)
رجسٹریشن کے لئے جلد رابطہ کیجیے
جامع مسجد سلیمانیہ، نزد فتح حلوائی، کلیٹن کوارٹرز، جمشید روڈ نمبر 1، کراچی
021-34895444 0300-2686096 0333-2387501

پیغامِ الٰہی جل جلالہٗ

عبدالعزیز

(مفہوم آیات ۷۴، از: سورۂ بقرہ)

''(ایسے واقعات کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ تم لوگوں کے دل بالکل نرم اور حق تعالیٰ کی عظمت سے پُر ہو جاتے، لیکن) تمھارے دل پھر بھی سخت ہی رہے تو (یوں کہنا چاہیے کہ) ان کی مثال پتھر کی سی ہے یا (یوں کہیے کہ وہ) سختی میں ان سے (بھی) زیادہ (ہیں) اور (زیادہ سخت اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ) بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے (بڑی بڑی) نہریں جاری ہوتی ہیں اور انھی پتھروں میں بعض ایسے ہیں کہ جو پھٹ جاتے ہیں، پھر اُن سے (تھوڑا ہی سہی) پانی نکل آتا ہے اور انھی میں سے بعض پتھر ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں (اور اس دل کی سختی کی وجہ سے تم جو بُرے عمل کرتے ہو) اللہ تعالیٰ تمھارے ان عملوں سے بے خبر نہیں ہے (یعنی بہت جلد تمھیں سزا دے گا)۔''

عزیز دوستو! اس آیت میں پتھر کے تین اثرات بیان کیے گئے ہیں: ۱۔ زیادہ پانی نکلنا۔ ۲۔ کم پانی نکلنا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کے خوف سے نیچے آ گرنا۔

لیکن بنی اسرائیل کے دل تو ان پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کہ ایسے واقعات (جو پچھلی آیتوں میں بیان ہو چکے ہیں) ہونے کے باوجود بھی نرم نہیں پڑے اور اللہ تعالیٰ کے احکام (جو اُن کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہنچائے یا تورات کے ذریعے ملے، اُن) پر عمل پیرا نہیں ہوئے۔ اور اسی دل کی سختی کی وجہ سے جو بُرے اعمال تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ ان اعمال سے بے خبر نہیں، ضرور بالضرور اُن اعمال کی سزا بھی دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دل کی سختی سے بچائے۔ آمین!

دل کی سختی دور کرنے کے لیے قرآن و حدیث کی روشنی میں علمائے کرام نے چند اعمال بتائے ہیں، ہم ان کا اہتمام کریں تو اللہ تعالیٰ دل کو نرم کر دیں گے۔ وہ اعمال درج ذیل ہیں: ☆ دل کی نرمی کی دعا کرنا۔ ☆ اپنے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا اور استغفار کرنا۔ ☆ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ ☆ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔ ☆ موت کو یاد کرنا اور اُس کے لیے قبرستان جانا۔ ☆ یتیم اور مسکین کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرنا اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ ☆ نیک لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔

اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں پر ہم سب کو عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

پیغامِ نبوی

راشد علی نواب شاہی

حضور ﷺ نے فرمایا: ''برکت تمھارے بڑوں کے ساتھ ہے۔''

(الجامع الصغیر، ۱/۵۵۸، الرقم: ۲۸۸۴)

عزیز ساتھیو! دنیا اور اُس کی تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ نے بنائی ہیں۔ کوئی درندہ ہے تو کوئی پرندہ، کچھ زمین پر رینگنے والے ہیں، کچھ زمین پر چلنے والے ہیں، کوئی جانور ہے تو کوئی انسان ہے، پھر انسانوں میں کوئی مرد ہے کوئی عورت، کوئی بچہ ہے تو کوئی جوان اور کوئی بوڑھا۔

جو بڑی عمر کے ہیں ان کے لیے حکم ہے کہ وہ چھوٹوں کا خیال رکھیں، جو چھوٹے ہیں انھیں یہ حکم ہے کہ وہ بڑوں کی عزت کریں۔

آپ ﷺ نے اسی لیے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے۔

(ابوداؤد، الآدب، الرقم: ۴۹۴۳)

اس حدیث میں ''بڑوں'' کا ذکر ہے۔ اس سے مراد علم میں بڑے بھی ہو سکتے ہیں اور عمر میں بڑے بھی۔ اس میں ہمارے والدین بھی شامل ہیں۔ ہمارے اساتذۂ کرام بھی، معلمات بھی، مساجد کے امام صاحبان بھی اور دیگر علمائے کرام بھی۔ اسی طرح ہمارے حکمران بھی ہمارے بڑے ہیں۔ اور برکت کو اللہ تعالیٰ نے بڑوں کے ساتھ رکھا ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کچھ لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے۔ ان میں ایک چھوٹی عمر والے نے بڑی عمر والے سے پہلے بولنا شروع کیا تو آپ ﷺ نے اسے تاکید فرمائی کہ پہلے بڑے کو بولنے دو۔

(صحیح بخاری، الرقم: ۶۱۴۳)

اس پیغام کو پڑھ کر آج سے یہ کوشش کرنی ہے:

☆ بڑوں سے عزت اور احترام سے پیش آنا ہے اور انھیں احترام سے دیکھنا ہے۔ ☆ بڑوں کے سامنے ادب سے بیٹھنا ہے۔ ☆ انھیں سلام کرنا ہے۔ ☆ ان کے سامنے آہستہ آواز میں بات کرنی ہے۔ ☆ ان کے کام میں ہاتھ بٹانا ہے۔ ☆ ان سے پہلے نہیں بولنا اور اگر بولنے کی ضرورت ہو تو اُن سے اجازت لے کر بات شروع کرنی ہے۔ ☆ ہر کام میں ان سے مشورہ کر کے عمل کرنا ہے۔ ☆ ان کی بات ماننی ہے۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

شعبان المعظم ۱۴۴۱ ہجری | جلد: 14

شمارہ: 04

ناشر ~~~~~~ محمد عارف رشید

مجلس ادارت

- مدیر ~~~~~~ عبدالعزیز
- معاون ~~~~~~ محمد طلحہ شاہین

مجلس مشاورت

پروفیسر محمد احمد خان صاحب

راشد علی نواب شاہی

سرورق السٹریٹر ~~~~~~ سید ناصر

آرٹسٹ ~~~~~~ قیصر شریف

کمپوزر ~~~~~~ سعد علی

نگران ترسیل ~~~~~~ منور عمر

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وقف ہے۔

قیمت

70

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک

1000/=

بذریعہ عام ڈاک

750/=

ماہ نامہ ذوق و شوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمالیں۔

خط و کتابت کا پتہ:

ماہ نامہ ذوق و شوق پی۔ او بکس 17984 پوسٹ کوڈ 75300 گلشن اقبال کراچی

Email: zouqshouq@hotmail.com

zouq shouq/ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

0213-4990760, 0341-4410118

What's app: 0324-2028753

دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00 دوپہر 2:30 تا 6:00

سیرت کہانی (۱۶) — 06 — عبدالعزیز

بلاعنوان (۱۵۶) — 09 — محمد شائل بن کامران

بھنڈی (سبزی) — 12 — سعد علی چھیپا

موٹو چھوٹو کی بادشاہت — 13 — زیست فاطمہ

شیر کا حکم (تاریخی جھلکیاں) — 18 — محمد حذیفہ رفیق زم زمی

روزہ رکھا تو جانا (نظم) — 20 — احمد حاطب صدیقی

جگر (پانی کا) پانی کہانی (۱۳) — 21 — نذیر انبالوی

ادھوری کہانی — 24 — مریم شہزاد

ذوق معلومات (۵۴) (کھیل) — 25 — ابو غازی محمد

مصلحت — 26 — عنبر جمشید

آبگینے — 28 — اہلیہ فرہاج

سرخ رُو (مومن اسکواڈ سیریز ۲) — 32 — غلام محی الدین ترک

جھوٹوں کے جھوٹے (۵) — 34 — حافظ محمد دانش عارفین حیرت

بچو! اس کا نام بتانا (۲) (کھیل) — 38 — ریحان طاہر

سوال آدھا، جواب آدھا (۱۱) (کھیل) — 39 — الطاف حسین

نئے لکھاری — 40 — قارئین

بجلی آگئی! — 43 — آمنہ رشید

صف شکن (۲۳) — 45 — محمد فہیم عالم

خط جو آپ کا ملا — 49 — قارئین و مدیر

احتیاطی تدابیر — 52 — قانتہ رابعہ

پرنٹر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیم و تربیت و اصلاح کی خاطر ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

PARADISE BOOKS DISTRIBUTORS

Karachi: J-73, UNIT-1, GROUND FLOOR, OFF ALLAMA IQBAL ROAD, PECHS BLOCK-2, KARACHI. 021-34314981
LAHORE: SIDDIQUE MANAZIL, 2ND FLOOR, 40-ABBOT ROAD, STREET NEON PRINCE, LAHORE. 051-48430042
RAWALPINDI: OFFICE NO 2, FIRST FLOOR, STAR PLAZA, PARADISE HOUSE, RAWALPINDI. 042-3629701

علیک سلیک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

ہم اس وقت سفر میں ہیں۔ کراچی سے روانہ ہو کر لاہور کی طرف جا رہے ہیں۔ میاں چنوں پر ریل گاڑی کا اسٹاپ ویسے تو زیادہ نہیں ہوتا، لیکن آج پتا نہیں کیوں ہماری ریل گاڑی یہاں نسبتاً زیادہ ٹھہری ہے۔ اسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم گاڑی سے نیچے بھی اتر گئے۔ میاں چنوں کا اسٹیشن ہمیں خوب صورت لگا۔ اس خوب صورتی کی وجہ یہاں جدید سہولیات کی فراہمی نہیں، بل کہ یہاں کی ہریالی ہے۔ یہاں گلاب، موتیا، مور پنکھ، بڑھ اور دیگر خوب صورت پودے اور درخت ہمیں نظر آئے۔

''ارے، وہاں کیا ہو رہا ہے؟! لوگ کیوں جمع ہیں؟!'' ہم نے اپنے ساتھی اور دوست سے کہا، پھر ہم اس بھیڑ کی طرف چل دیے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک پیڑ ہے، جس سے لوگ کچھ توڑ رہے ہیں۔ مزید قریب ہوئے تو پتا چلا کہ شہتوت کا پیڑ ہے اور ہماری ہی گاڑی کے مسافر اُس سے شہتوت توڑ رہے ہیں۔ ہم نے بھی کوشش کی، لیکن اس وقت تک مسافر پکے پکے شہتوتوں کا صفایا کر چکے تھے۔

خیر، ایک آدھا ادھ کچے شہتوت تو ہمارے ہاتھ بھی لگ گئے، میٹھے تو نہیں تھے، البتہ کھٹے میٹھے ضرور تھے۔

ابھی ہم پوری طرح ان سے لطف اندوز بھی نہ ہو پائے تھے کہ گاڑی نے وسل دے دی، لہٰذا نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں دوڑ کر گاڑی میں چڑھنا پڑا اور میاں چنوں کا خوب صورت پلیٹ فارم چھوڑنا پڑا۔

اب ہم سوچ رہے ہیں کہ ایک روز یہ دنیا بھی تو ہمیں نہ چاہتے ہوئے چھوڑنی پڑ جائے گی۔ دنیا میں بھی تو ہم مسافر ہی ہیں۔ یہاں بھی قیام عارضی ہے، یہاں کی نعمتوں سے لطف اندوزی بھی تو چند ساعتوں کی ہے۔ یہ نظارے بھی تو چند روزہ ہیں۔ یہی بات ہمارے اور آپ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے مثال دے کر فرمائی ہے:

''میری اور تمھاری مثال اس مسافر کی سی ہے جو سفر کے دوران میں ذرا ستانے کے لیے ایک درخت کے نیچے رکتا ہے اور پھر تھوڑی ہی دیر میں اسے چھوڑ کر آگے چل دیتا ہے۔''

ارے! ہمیں آپ سے بات تو ''سال نامے'' کے حوالے سے کرنی تھی، چلیے مختصر سی بات ''سال نامے'' کے حوالے سے بھی ہو ہی جائے۔

۲۰۲۰ء کا ''سال نامہ'' اسی سال کسی بھی مہینے میں شائع ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ! اگرچہ ماہ نامہ کی سال گرہ اپریل میں ہوتی ہے، لیکن حالات کی خرابی کی وجہ سے مجبوراً ایسا کرنا پڑ رہا ہے۔

امید ہے کہ آپ بات کو سمجھیں گے۔ آخر ماہ نامہ ذوق و شوق کے سمجھ دار قارئین جو ہیں!

عبدالعزیز

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک زندگی اور سیرت کے اہم واقعات پر مبنی ایک پیارا سلسلہ۔

۱۶

سیرت کہانی

عبدالعزیز

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لے آئے تو اُنھوں نے یہ سوچا کہ اپنے اسلام لانے کی خبر ایسے شخص کو دوں جو بات پھیلانے میں ماہر ہو، تاکہ سب کو میرے اسلام کی اطلاع ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جمیل بن معمر کے پاس گیا، جو بات پھیلانے میں مشہور تھا، اور اُس سے کہا:

''جمیل! تجھے پتا ہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور محمد ﷺ کے دین میں داخل ہو گیا ہوں۔'' جمیل یہ بات سنتے ہی اسی حالت میں اپنی چادر کھینچتا ہوا مسجد حرام کی طرف بھاگا، جہاں سردارانِ قریش جمع تھے۔ وہاں پہنچ کر اُس نے بلند آواز سے کہا:

''اے لوگو! عمر صابی، یعنی بے دین ہو گیا ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی پیچھے پیچھے پہنچا اور کہا:

''یہ غلط کہتا ہے، میں صابی نہیں ہوا ہوں، میں تو اسلام لایا ہوں اور اس بات کی گواہی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں''۔

یہ سنا تھا کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کر دیا۔ اسی حالت میں دن چڑھ گیا۔ اللہ کی شان! عاص بن وائل سہمی ادھر آ نکلے۔ عاص نے پوچھا:

''کیا ہوا؟'' لوگوں نے بتایا:

''عمر صابی ہو گیا ہے۔'' عاص نے کہا:

''تو پھر کیا ہو گیا؟ ایک شخص اپنے لیے ایک دوسرا دین اختیار کرتا ہے تو تمھیں کیا مسئلہ ہے! کیا تمھارا یہ گمان ہے کہ ان کے قبیلے کے لوگ اپنے آدمی کو یوں ہی چھوڑ دیں گے۔ میں نے عمر کو پناہ دی۔'' عاص کا پناہ دینا تھا کہ تمام مجمع چھٹ گیا۔

(سیرت ابن ہشام، ج: ۱، ص ۱)

جب قبیلہ قریش کے بھیجے ہوئے لوگ حبشہ سے ناکام واپس ہوئے اور اُنھوں نے بتایا کہ نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے ساتھ کے دوسرے مسلمانوں کی بہت عزت افزائی کی ہے۔

ادھر حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی مسلمان ہو گئے اور روز بروز مسلمانوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہونے لگا، دین کو روکنے کا کوئی حربہ کام نہیں دے رہا تھا تو قریش کے قبیلوں نے متفقہ طور پر ایک معاہدہ لکھا کہ محمد (ﷺ)، بنی ہاشم اور اُن کے تمام حامی لوگوں سے تعلقات ختم کر دیے جائیں، یعنی نہ کوئی شخص بنی ہاشم سے نکاح کرے، نہ ان سے میل جول رکھے اس وقت تک جب تک کہ بنی ہاشم، محمد (ﷺ) کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالے نہ کر دیں۔

یہ تحریر لکھ کر کعبۃ اللہ کے اندر آویزاں کر دی گئی۔

منصور بن عکرمہ جس نے اس معاہدے کو لکھا تھا، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سزا ملی کہ اس کا ہاتھ شل ہو گیا اور ہمیشہ کے لیے لکھنے سے گیا۔ حضرت ابو طالب نے مجبور ہو کر اپنے خاندان کے ساتھ ابی طالب نامی گھاٹی میں پناہ لی۔ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے تمام لوگوں نے، چاہے وہ مومن ہوں یا کافر، آپ ﷺ کا ساتھ دیا۔ مسلمانوں نے تو دین کی وجہ سے اور کافروں نے خاندان کی وجہ سے۔ صرف ابولہب تھا جو قریش کے ساتھ رہا اور اُس نے حضور ﷺ کا ساتھ نہیں دیا۔ تین سال مسلسل اسی گھاٹی میں سخت تکلیف کے ساتھ گزرے، یہاں تک کہ بھوک سے بچوں کے رونے کی آواز گھاٹی سے باہر سنائی دیتی تھی۔ سنگ دل کافر اُسے سن سن کر

خوش ہوتے تھے، لیکن جو اُن میں سے رحم دل تھے، انھیں ناگوار گزرتا تھا اور وہ دوسرے لوگوں سے کہتے تھے کہ تمھیں نظر نہیں آتا کہ منصور بن عکرمہ پر کیا مصیبت آئی۔ اس بائیکاٹ کے وقت مسلمانوں نے کیکر کے پتے کھا کر زندگی بسر کی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک رات میں بھوکا تھا، میرا پیر کسی تر چیز سے ٹکرایا، میں نے فوراً اُسے نگل لیا، مجھے اب تک معلوم نہیں کہ وہ کیا چیز تھی۔''

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی اپنا ایک اور قصہ بیان کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ رات کو میں پیشاب کرنے کے لیے نکلا، راستے میں اونٹ کی کھال کا سوکھا ہوا ایک ٹکڑا ہاتھ لگا۔ میں نے پانی سے دھو کر اُسے جلایا اور کوٹ کر اُس کا پاؤڈر بنایا اور پانی کے ساتھ اسے پی لیا۔ تین راتوں میں اس چمڑے کے ٹکڑے کے علاوہ میرے پاس اور کچھ کھانے کو نہیں تھا۔''

بات یہاں تک پہنچی کہ جب کوئی تجارتی قافلہ مکہ آتا تو ابولہب اٹھتا اور یہ اعلان کرتا کہ کوئی تاجر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں کو کوئی چیز عام قیمت پر فروخت نہ کرے، بل کہ ان سے بڑھا چڑھا کر قیمت لے اور اگر کوئی نقصان ہو تو میں اس کا ذمے دار ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین خریدنے کے لیے آتے، مگر قیمت کی زیادتی کا یہ عالم دیکھ کر خالی ہاتھ واپس چلے جاتے۔ ایک طرف کچھ نہ ہونا اور دوسری طرف دشمنوں کی یہ ظلم و زیادتی اور بچوں کا بھوک سے تڑپنا اور بلبلانا۔

(روض الانف، ج:۱،ص:۲۳۲)

کافروں میں سے بعض لوگوں کا اپنے ان رشتے داروں کی تکلیفیں دیکھ کر دل دکھتا تھا اور وہ پوشیدہ طور پر کھانے پینے کا کچھ سامان بھیج دیتے تھے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ حکیم بن حزام (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے اور فتح مکہ کے وقت اسلام لائے تھے) اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے غلام کو لے کر کچھ غلہ لے جا رہے تھے۔ ابوجہل نے دیکھ لیا اور کہا:

''کیا تم بنی ہاشم کے لیے غلہ لے جا رہے ہو! میں تمھیں ہرگز غلہ لے جانے نہیں دوں گا اور سب کے سامنے تمھیں ذلیل کر دوں گا۔''

اللہ کی شان! اسی وقت ابوالبختری سامنے آ گیا اور ابوجہل سے کہنے لگا:

''ایک شخص اپنی پھوپھی کے لیے غلہ لے جا رہا ہے تو تمھیں کیوں اعتراض ہے؟'' ابوجہل کو غصہ آ گیا اور ابوالبختری کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ ابوالبختری اس نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر ابوجہل کے سر پر دے ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ مار کھانے سے زیادہ ابوجہل کو یہ بات بُری لگی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھاٹی سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

(سیرت ابن ہشام، ج:۱،ص:۱۲۳)

انھیں تکلیفوں اور مصیبتوں کی بنا پر بعض رحم دل کافروں کے دل میں اس معاہدے کو توڑنے کا خیال آیا۔ سب سے پہلے ہشام بن عمرو کو (جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے) خیال آیا کہ افسوس! ہم تو کھائیں پئیں اور ہمارے یہ رشتے دار دانے دانے کو ترسیں اور فاقے کریں، چناں چہ جب رات ہوتی تو ایک اونٹ غلے کا شعب ابی طالب میں لے جا کر چھوڑ دیتے۔

ایک روز یہی ہشام بن عمرو، زہیر بن امیہ کے پاس گئے، جو عبدالمطلب کے نواسے اور عاتکہ بنت عبدالمطلب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی) کے بیٹے تھے اور کہا:

''اے زہیر! کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ تم جو چاہو کھاؤ، پہنو اور نکاح کرو اور تمھارے ماموں ابوطالب ایک ایک دانے کو ترسیں! خدا کی قسم! اگر ابوجہل کے ماموں اور ننھیال کے لوگ اس حال میں ہوتے تو ابوجہل ہرگز ہرگز ایسے عہدنامے کی پروانہ کرتا۔'' زہیر نے کہا:

''افسوس کہ میں تنہا ہوں! اکیلا کیا کر سکتا ہوں! کاش! ایک ہم خیال اور مل جائے تو پھر میں اس کام کے لیے کھڑا ہو جاؤں گا۔'' ہشام بن عمرو وہاں سے اٹھے اور مطعم بن عدی کے پاس گئے اور انھیں اپنا ہم

خیال بنایا۔ مطعم نے بھی یہی کہا کہ ایک آدمی اور اپنا ہم خیال بنالینا چاہیے۔ ہشام وہاں سے روانہ ہوئے اور ابوالبختری اور اُس کے بعد زمعہ بن اسود کو بھی آمادہ کرلیا۔ جب یہ پانچ آدمی اس معاہدے کو توڑنے پر آمادہ ہوگئے تو سب نے ایک زبان ہوکر کہا:

''کل جب سب جمع ہوجائیں، اس وقت اس کا ذکر کیا جائے۔'' زہیر نے کہا:

''ابتدا میں کروں گا۔'' صبح ہوئی اور لوگ مسجد حرام میں جمع ہوئے۔ زہیر اُٹھے اور کہا:

اے مکہ والو! بہت افسوس اور غیرت کی بات ہے کہ ہم تو کھائیں پییں، پہنے اور نکاح کریں اور بنی ہاشم فاقوں سے مریں۔ خدا کی قسم! جب تک یہ معاہدہ پھاڑا نہ جائے گا اس وقت تک میں چین سے نہ بیٹھوں گا۔'' ابوجہل نے کہا:

''خدا کی قسم! یہ عہد نامہ کبھی نہیں پھاڑا جاسکتا۔'' زمعہ بن اسود نے کہا:

''خدا کی قسم! ضرور پھاڑا جائے گا۔ جس وقت یہ معاہدہ لکھا گیا تھا ہم تو اُس وقت بھی راضی نہیں تھے۔'' ابوالبختری نے کہا:

''یہ سچ کہتا ہے، ہم بھی راضی نہیں تھے۔'' مطعم نے کہا:

''بے شک یہ دونوں سچ کہتے ہیں۔'' ہشام بن عمرو نے بھی اُس کی تائید کی۔ ابوجہل مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر حیران رہ گیا اور کہنے لگا:

''یہ تو رات کا طے شدہ معاملہ معلوم ہوتا ہے۔''

اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ نے وہاں حضرت ابوطالب کو یہ خبر دی:

''اس معاہدے کے تمام حروف کو اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا کیڑوں نے کھا لیا ہے۔'' ابوطالب نے آکر یہ واقعہ قریش کے سامنے بیان کیا اور کہا:

''میرے بھتیجے نے آج مجھے یہ خبر دی ہے اور میرے بھتیجے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ ان کی کوئی بات آج تک غلط ثابت ہوئی ہے۔ آؤ، بس اسی پر فیصلہ کرتے ہیں کہ اگر محمد کی خبر صحیح اور سچی نکلے تو تم اس ظلم سے باز آجانا اور اگر غلط نکلے تو محمد کو تمھارے حوالے کرنے کے لیے میں بالکل تیار ہوں، پھر چاہے تم قتل اسے کرنا اور چاہے زندہ چھوڑنا۔'' لوگوں نے کہا:

''اے ابوطالب! آپ نے بے شک انصاف کی بات کہی۔''

اسی وقت معاہدہ منگوایا گیا۔ دیکھا تو واقعی اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا تمام حروف کو کیڑوں نے کھالیا تھا۔ یہ دیکھتے ہی سب نے ندامت اور شرمندگی سے گردنیں جھکالیں۔ اس طرح اس ظالمانہ معاہدے کا خاتمہ ہوا اور حضرت ابوطالب، ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے تمام ساتھی اس گھاٹی سے باہر آئے۔ اس کے بعد حضرت ابوطالب حرم میں پہنچے اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر اپنے ساتھیوں سمیت یہ دعا مانگی:

''اے اللہ! جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا اور رشتہ داریاں توڑیں اور ہماری عزتوں کو حلال سمجھا، ان سے ہمارا بدلہ اور انتقام لے۔'' اس طرح تین سال کی مسلسل مصیبت کا خاتمہ ہوا اور سن دس نبوی میں، یعنی ہجرت سے تین سال پہلے حضرت ابوطالب، حضور ﷺ اور دیگر لوگ گھاٹی سے باہر نکلے۔

(فتح الباری، ج: ۷، ص: ۱۴۷)

......(جاری ہے)

ذوق معلومات (۵۲) شمارہ فروری ۲۰۲۰ء کے تین انعام یافتہ قارئین

کراچی: ☆محمد عثمان بن عبدالعزیز۔ ☆محمد حمزہ امین۔ **صادق آباد:** تماضر ساجد۔

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

کراچی: رقیہ بنت نصیب الرحمن، لبابہ ابراہیم، حفصہ محمد شفیق، محمد شائل بن کامران، محمد احمد کان، ایان ظفر، محمد بن فیصل، اقصیٰ بنت محمد سہیل، عجبہ محمد قاسم، امیمہ اطہر، وردہ شاہ، محب الرحمن، مصطفیٰ جاوید، علشبہ عادل، محمد مصطفیٰ بن نور محمد، حفصہ ارشد، نور، حرم، اسد یوسف، محمد ابراہیم بن محمد یامین، انجبہ مریم، محمد عمر فاروق، بلال مزمل، لائبہ آصف، اقصیٰ بنت محمد سہیل۔ **حیدر آباد:** سید محمد حسین شاہ، جویریہ عامر، یسریٰ کرن۔ **میرپور خاص:** عدینہ بنت محمد رضوان احمد، رمشا بنت محمد رفیق۔ **مٹیاری:** نور العین۔ **میانوالی:** حماد اللہ۔ **کلورکوٹ:** راؤ ارشاد احمد، راؤ جمیل احمد، محمد عمر راؤ، صالح علی مرزا، الریاض ساجد احمد۔ **حاصل پور:** محمد علی شیر حیدری، عبدالرؤف، ایمان فاطمہ، محمد ارشد، حافظ حسان ریاض، محمد ضیاء الرحمن فاروقی، حافظ محمد اسامہ ذاکر، محمد سفیان صدیق۔ **قائم پور:** محمد عبداللہ۔ **سرگودھا:** محمد اسماعیل، محمد فیصل رانا، محمد عمر مجاہد۔ **خیرپور ٹامیوالی:** ثمینہ حبیب۔ **لاہور:** حافظ نور العین ابرار۔ **راولپنڈی:** ملک محمد احسن، ابراہیم خان، محمد حسان ربانی۔ **اسلام آباد:** حبان حسن۔ **مردان:** حمنہ افتخار۔ **ڈیرہ غازی خان:** سدرہ نور چشتی۔

بلاعنوان (۱۵۶)

محمد شمائل بن کامران۔ جامعہ بیت السلام، کراچی

''کیا ہے یہ؟''

انس بے اختیار چونک اٹھا۔ وہ ہاسٹل میں بیٹھا روڈ ڈاہل کا ایک انگریزی ناول پڑھ رہا تھا کہ سر عبدالرحمٰن کی کرخت آواز پر ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا اور اُنھیں چور نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

سر عبدالرحمٰن رات کو بچوں کو سلانے کے ذمے دار تھے۔ انھوں نے الٹ پلٹ کر کتاب کو دیکھا اور اُسے واپس دیتے ہوئے پوچھا:

''یہ کس کا ہے؟''

یہ ایسا سوال تھا جس سے انس کے پیروں تلے زمین نکل گئی، کیوں کہ اسکول میں اور خصوصاً ہاسٹل کے طلبہ کے لیے آپس میں کسی بھی قسم کے لین دین کی بالکل اجازت نہ تھی اور اُس نے یہ ناول اپنے کلاس فیلو عبدالعلیم سے عاریتاً لیا تھا۔ اب اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے، بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا: ''یہ مجھے انعام میں ملا تھا۔''

''اسکول سے؟''

''جی ہاں! پوزیشن آئی تھی جب۔''

انس کی عموماً جماعت میں اول پوزیشن آیا کرتی تھی، لہٰذا اُسے یہ امید تھی کہ سر اُس کے جواب سے قطعی مطمئن ہو چکے ہوں گے۔

☆......☆......☆

''ارے یار! بس سمجھو پکڑا ہی گیا تھا۔'' دسترخوان پر انس اور عبدالعلیم ایک ساتھ بیٹھے تھے کہ انس نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا جائے گا۔ ''بلاعنوان'' کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 31 اگست 2020 ہے۔
نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابل قبول نہ ہوگا۔

''کیوں کیا ہوا؟'' عبدالعلیم متعجبانہ انداز میں بولا۔

''سر نے تمھارا ناول دیکھ لیا تھا۔''

''پھر کک کیا..... اررر.....'' عبدالعلیم پر بولتے بولتے اچانک کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

''ارے، پانی لو پانی!!'' انس نے گھبرا کر گلاس بڑھایا اور عبدالعلیم نے پانی پی کر سکون کا سانس لیا۔

''اسی لیے کہتے ہیں کہ کھاتے وقت بولنا نہیں چاہیے۔'' انس نے مسکرا کر کہا اور پھر دونوں خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔

''تم نے بتایا نہیں کہ پھر سر نے کیا کہا؟'' کھانے سے فارغ ہو کر عبدالعلیم نے دریافت کیا۔

''بس یار! مت پوچھو، میں تو بوکھلا ہی گیا تھا، لیکن پھر بڑی مشکل سے جان چھوٹی۔'' انس پھر اُسے بتانے لگا کہ کس طرح جھوٹ بول کر اُس نے اپنی جان بچائی۔

''لیکن یار! تمھیں جھوٹ تو نہیں بولنا چاہیے تھا۔'' عبدالعلیم نے ملامت کرتے ہوئے کہا۔

''اب چھوڑو بھی یار! جو ہونا تھا ہو گیا۔'' انس نے لاپروائی سے کہا اور تیز قدم بڑھاتے ہوئے آگے نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

''اس مرتبہ بلال کی اپنی جماعت میں تیسری مرتبہ اول پوزیشن آئی ہے۔''

''ہوں!'' سر فصیح اللہ جو کہ سر عبدالرحمٰن کی بات بہت غور سے سن رہے تھے، ان کی بات مکمل ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

''تو اس سلسلے میں ہمارے اسکول کے قانون کے مطابق اسے اس کی مَن پسند کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔''

''جی بالکل!'' سر فصیح اللہ جو کہ اسکول لائبریری کے انچارج تھے، سر ہلا کر بولے۔ ''تو کیا بلال نے کتابوں کے نام تجویز کر دیے ہیں؟''

''جی ہاں، اس کی یہ فرمائش ہے کہ اسے روڈ ڈاہل کے ناول دیے جائیں۔'' یہ کہہ کر سر عبدالرحمٰن نے ان کے ہاتھ میں ایک پرچی دی جس پر چند ناولوں کے نام درج تھے۔

''روڈ ڈاہل.....'' سر فصیح اللہ زیرِ لب بڑبڑائے۔ ''لیکن ہم نے پہلے تو کبھی اس لکھاری کے ناول نہیں منگوائے۔'' سر عبدالرحمٰن ان کی بات سن کر معنی خیز انداز میں سر ہلا کر رہ گئے۔

''تو کیا آپ کو یقین ہے کہ اس سے پہلے کبھی بھی اس لکھاری کے ناول نہیں منگوائے گئے؟'' سر عبدالرحمٰن نے اپنی تشفی کے لیے دوبارہ پوچھ لیا، کیوں کہ ان کے سامنے اب انس کا روڈ ڈاہل کا ناول گھوم رہا تھا۔

''جی ہاں، مجھے یقین ہے، لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں! ہم بلال کے لیے روڈ ڈاہل کے ناول منگوا دیں گے۔'' سر فصیح اللہ یہ کہتے ہوئے رجسٹر میں کچھ درج کرنے لگے، جب کہ سر عبدالرحمٰن انھیں سلام کر کے باہر آ گئے۔ ان کی آنکھیں کسی گہرے تفکر کی غمازی کر رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

عصر کے بعد کا وقت تھا اور کھیل شروع ہوا ہی چاہتا تھا کہ بلال نے آ کر انس کو اطلاع دی: ''تمھیں سر عبدالرحمٰن بلا رہے ہیں۔'' انس نے پہلے تو اس بلاوے کو ایک بوجھ محسوس کیا، کیوں کہ کھیل کے وقت وہ نیم دیوانہ ہو جاتا تھا، یعنی اس وقت کھیل کے سوا اُسے سب چیزیں زہر محسوس ہوتی تھیں۔ چار و ناچار اُسے بلال کے ساتھ چلنا پڑا۔ وہ جب سر عبدالرحمٰن کے کمرے میں پہنچا تو وہاں سر کے سامنے بیٹھے عبدالعلیم کو دیکھ کر ہلکا سا جھجکا، لیکن پھر خود کو پُرسکون رکھتے ہوئے اندر آ گیا۔

''السلام علیکم سر! آپ نے مجھے طلب فرمایا؟''

''ہاں بیٹھو، میں نے آج تمھیں کوئی خوشی کی خبر سنانے کے لیے نہیں بلایا، بل کہ.....'' سر عبدالرحمٰن یہاں تک کہہ کر رُک گئے اور انس کو گھورنے لگے۔ انس کا دل دھڑکا اور وہ بے چین آواز میں بولا: ''بل کہ کیا سر!؟''

''بل کہ میں تمھیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم جو روڈ ڈاہل کا ناول تین ماہ قبل پڑھ رہے تھے وہ تمھارا نہیں تھا، بل کہ تم نے مجھ سے غلط بیانی کی تھی۔'' سر عبدالرحمٰن سپاٹ لہجے میں ایک ہی رو میں کہتے چلے گئے، جب کہ انس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔ وہی ہوا تھا جس کا انس کو ڈر تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی شکستہ ہوائی جہاز میں بیٹھا ہو اور جہاز کسی بھی لمحے کسی چٹان سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ اگر اس وقت وہ کھڑا ہوتا تو اُس کا غش کھا کر گر جانا یقینی تھا۔

انس کا شمار اسکول کے اچھے اور سعادت مند بچوں میں ہوتا تھا۔ اس سے اس قسم کی غلطی کی امید نہیں رکھی جاسکتی تھی اور خصوصاً یہ بات تو کسی استاد کے چشمِ تصور میں بھی نہیں تھی کہ انس جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ یہی سوچ سوچ کر انس ہلکان ہوئے جارہا تھا اور اُسے اپنی غلطی پر سخت ندامت تھی۔ اب اسے کمرے میں بلال اور عبدالعلیم کی موجودگی کھلنے لگی، وہ وہاں پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتا تھا۔ سر عبدالرحمٰن نے جیسے ہی اس بات کو محسوس کیا تو اُن دونوں کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور خود اُٹھ کر انس کے پاس چلے آئے۔

''انس!'' انھوں نے پیار بھری آواز میں کہا تو انس نے سر اُٹھا کر خالی خالی نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔

''یس سر!'' اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''بالکل پریشان مت ہو بیٹا! انسان سے غلطی ہو جاتی ہے، لیکن اس کی توبہ اس کے گناہوں کو اس طرح دھو ڈالتی ہے جیسے کبھی کوئی گناہ یا غلطی کی ہی نہ ہو۔'' انس کی آنکھیں اب بھی ویران تھیں۔ ''میرا اندازہ ہے کہ تم نے اس سے پہلے بھی کہیں جھوٹ بولا ہوگا اور تم اپنی دانست میں بچ بھی گئے ہو گے۔'' سر کی بات سن کر انس کا سر بے ساختہ اثبات میں ہلا۔

''میں تم سے یہ نہیں پوچھتا کہ تم نے کب جھوٹ بولا تھا، بل کہ تمھیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انسان اکثر کسی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے اور پکڑ میں نہیں آتا تو اُس کی نظر میں اس غلطی کو کرنے کی قباحت کم ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ وہ اس کی پختہ عادت بن جاتی ہے، لیکن وہ اس سے بے خبر ہوتا ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں اس کا یہ عمل نوٹ ہو رہا ہے۔'' انس اب سر عبدالرحمٰن کی بات میں محو ہو چکا تھا۔ سر نے جب یہ دیکھا تو اُس کے بالوں میں شفقت سے اپنی انگلیاں پھیرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی:

''دیکھو بیٹا! جب انسان کسی غلطی کو بار بار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر آزمائش آجاتی ہے اور پھر دو ہی صورتیں ہوتی ہیں یا تو انسان اس غلطی کو چھوڑ دیتا ہے یا اس پر قائم رہتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر کے اس گناہ یا غلطی کو آئندہ نہ کرنے کا عزم کر لیتا ہے تو اللہ کا مقرب بن جاتا ہے اور اگر کوئی آدمی خود کو اُس گناہ کی دلدل سے نہیں نکالتا تو پھر اُس کی آنکھ موت کے بعد ہی کھلتی ہے۔'' انس ہمہ تن گوش سر کی بات سننے میں اتنا گم تھا کہ اسے یہ احساس بھی نہ رہا کہ اس کا آج کا کھیل کا وقت ختم ہوتا جارہا ہے۔ سر کہہ رہے تھے:

''بس تم جو پکڑے گئے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے گویا امتحان تھا اور شکر کرو کہ اور اساتذہ اور طلبہ کو نہیں معلوم، ورنہ خود سوچو کتنی سبکی ہوتی۔'' انس کو اس خیال سے ہی جھرجھری آگئی۔

''لیکن تمھیں حیرت تو تمھیں ہوگی کہ تمھارا جھوٹ کیسے پکڑا گیا۔'' سر عبدالرحمٰن نے کہا تو انس صرف سر ہلا کر رہ گیا۔

''تو سنو، پچھلے دنوں میں سر فصیح اللہ صاحب کے پاس بلال کی تجویز کردہ کتابوں کے نام لکھوانے گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ روڈ ڈاہل کے ناول پہلے کبھی ہمارے اسکول نے انعام میں کسی طالب علم کو نہیں دیے۔ چوں کہ بلال نے اسی لکھاری کے ناولوں کی فرمائش کی تھی، لہٰذا اس کے متعلق بات چل پڑی اور وہاں مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی، پھر میں نے تحقیق کرائی تو پتا چلا کہ وہ ناول عبدالعلیم کے ہیں، اس سے بھی پوچھا اور اس کے بعد تمھیں بلایا۔'' سر اُس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولے جو انس کے حد درجے ضبط کرنے کے باوجود بھی کسی طرح آنکھوں کے خول پر منڈلانے لگے تھے۔ ''تو کیا خیال ہے! آئندہ میرا بیٹا جھوٹ نہیں بولے گا نا!'' سر کی بات پر انس نے زوردار انداز میں اپنا سر نفی میں ہلایا۔

''بیٹا! حضور ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ مسلمان جھوٹ نہیں بول سکتا۔ بیٹا! یہ بات یاد رکھنا کہ کچھ بھی ہو جائے، کبھی جھوٹ نہیں بولنا، کیوں کہ جھوٹ جتنا بھی تیز بھاگے، آخر کار سچ اسے پکڑ لیتا ہے۔ اب تم اسی واقعے کو دیکھ لو۔'' انس جو کہ اتنی دیر سے خاموش بیٹھا سر عبدالرحمٰن کی باتیں سن رہا تھا، اپنی طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر بول اٹھا:

''لیکن سر! جھوٹ بھاگے گا کیسے، کیوں کہ کہاوت مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔'' انس کی بات پر سر کھلکھلا اُٹھے۔

ذوقِ معلومات ۲۵ کا درست جواب

☆ سری لنکا

ایک سوال، ایک تحفہ ۱۱ کا درست جواب

☆ عجوہ

بھنڈی

سعد علی چھیپا۔ کراچی

بھنڈی ایک ایسی سبزی ہے جو لگ بھگ ہر موسم میں ہی دست یاب ہوتی ہے اور گوشت کے ساتھ پکائی جائے یا اُس کے بغیر، مزے دار ہی ثابت ہوتی ہے۔

بھنڈی ہماری روزمرہ غذا میں شامل ہے، لیکن صحت کے معاملے میں اس کی اہمیت اکثر نظر انداز کردی جاتی ہے، حالاں ماہرین نے طبی فوائد کی وجہ سے اسے ''ہیرو سبزی'' قرار دیا ہے۔ اس کے فوائد کی فہرست بہت لمبی ہے۔ بھنڈی میں وٹامن، معدنیات اور دوسرے غذائی اجزا وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں جو ذیابیطس سے لے کر گردے کی بیماری تک میں مفید ہیں۔

بھنڈی کے فوائد درج ذیل ہیں۔

☆ بھنڈی کے استعمال سے دمے کا خطرہ کم ہوتا ہے، جب کہ یہ دمے کی شدت میں بھی کمی لاتی ہے۔

☆ بھنڈی نظامِ ہاضمہ کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ کولیسٹرول میں بھی کمی لاتی ہے۔

☆ بھنڈی استعمال کرنے کے نتیجے میں خون میں موجود شکر کم ہوجاتی ہے اور یہی بات ذیابیطس کو کنٹرول کرنے میں خصوصی اہمیت رکھتی ہے، اس لیے ذیابیطس کے مریضوں کے لیے بھنڈی بہت مفید ہے۔

☆ ذیابیطس کے مریضوں کو گردوں کے امراض کا شدید خطرہ بھی لاحق رہتا ہے۔ ذیابیطس کے مریض اگر بھنڈی کا استعمال بھی شروع کردیں تو اس سے ان کے گردے بہتر حالت میں رہیں گے اور کافی حد تک وہ گردوں کی بیماریوں سے بھی محفوظ رہیں گے۔

بھنڈی کو مسالا بھر کر بھی پکایا جاسکتا ہے۔ یہ بھی صحت کے لیے بہت زیادہ فائدہ مند ہے۔

بھنڈی کیلشیئم سے بھرپور سبزی ہے جو ہڈیوں کو صحت مند اور مضبوط رکھنے میں مدد دیتی ہے۔

☆ اینٹی آکسائی ڈنٹ خصوصیات کی وجہ سے بھنڈی جسمانی توانائی کی سطح بہتر بنانے میں مدد دیتی ہے، جب کہ طویل بنیادوں پر پٹھوں کو بھی مضبوط کرتی ہے۔

☆ بھنڈی پوٹاشیم کے حصول کا بھی بہترین ذریعہ ثابت ہوتی ہے جو کہ دوران خون کو ٹھیک رکھنے والا جز ہے۔

☆ بھنڈی میں موجود فائبر پیٹ کو زیادہ دیر تک بھرا رکھتا ہے، جس کے باعث دن بھر بار بار کھانے کا امکان کم ہوجاتا ہے اور جسمانی وزن کو اعتدال میں رکھنا یا کمی لانا ممکن ہوجاتا ہے۔

☆ بھنڈی عمر بڑھنے سے آنکھوں کے پٹھوں میں آنے والی تنزلی کو روکنے میں مدد دیتی ہے جس سے موتیا کا خطرہ کم ہوجاتا ہے۔

تمام قارئین کرام سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کسی بھی سبزی کے فوائد پڑھ کر اسے زیادہ نہ کھائیں، بل کہ اس کا استعمال اعتدال سے کریں اور اگر آپ کو کوئی خاص بیماری ہے تو اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کرکے کوئی بھی سبزی استعمال کریں۔

موٹو ہتھو کی بادشاہت

زیست فاطمہ۔ لاہور

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک جنگل میں بہت موٹا ہاتھی رہتا تھا، سب اسے ''موٹو ہتھو'' کہتے تھے۔ موٹو ہتھو بہت طاقت وَر تھا۔ اس کی خاصیت تھی کہ وہ جب چنگھاڑتا تھا تو زمین ہل کر رہ جاتی تھی، حتی کہ جنگل کا بادشاہ شیر بھی اس کی چنگھاڑ سے کانپ جاتا تھا۔

موٹو ہتھو کی جسامت کی وجہ سے سب پر اُس کا بہت رعب تھا۔ وہ جب کھڑا ہوتا تو زرافہ بھی اس کے آگے چھوٹا لگتا تھا۔ سب جانور اُسے پسند بھی کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تین ماہ پہلے جب جنگل کے بادشاہ کا انتخاب کرنے کا وقت آیا تو سب جانوروں نے شیر کے بجائے موٹو ہتھو کو ووٹ ڈالا تھا، اس لیے جنگل کا بادشاہ شیر نہیں، بل کہ موٹو ہتھو بن گیا تھا۔

شیر کو اس بات پر بہت غصہ تھا، کیوں کہ صدیاں گزر گئیں، لیکن جنگل کا قانون نہیں بدلا تھا۔ بادشاہت کی کرسی جیسے شیر کے لیے ہی مخصوص تھی، پھر یہ موٹو ہتھو کیسے بادشاہت کا حق دار بن گیا۔

جب سے موٹو ہتھو بادشاہ بنا تھا اس نے ایک دوسرے کو شکار کرنے پر سخت پابندی لگا دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ شیر درختوں کے پتے کھا کھا کر کم زور ہوا جا رہا تھا اور اُس کے اندر انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔

''کچھ کرنا پڑے گا۔'' شیر اپنی کچھار میں ٹہلتا ہوا غصے سے سوچ رہا تھا کہ باہر کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔

''ہائیں! اس وقت کون آ گیا۔'' شیر بڑبڑاتا ہوا کچھار سے باہر نکل کر دیکھنے لگا۔ اسے موٹو ہتھو کے گھر سفید بلی جاتی دکھائی دی۔

''اے بی بلی! ذرا بات سنو۔''

شیر نے چیخ کر کہا، مگر سفید بلی بے نیازی سے موٹو ہتھو کے گھر میں چلی گئی۔

شیر اپنی اس توہین پر سلگ اٹھا۔

''اب یہاں موٹو ہتھو رہے گا یا ہم، بس ہو گیا فیصلہ!'' پھر شیر نے وہ ساری رات موٹو ہتھو کو جنگل سے بھگانے کے منصوبے بناتے گزاری، جب کہ ادھر موٹو ہتھو اپنی بادشاہت کے مزے لوٹ رہا تھا۔ سب جانور اُس کا بڑھ چڑھ کر خیال رکھ رہے تھے۔ کوئی اس کی ٹانگ دباتا تو کوئی سونڈ۔ کوئی کھانا لا کر دیتا

اور کوئی اس کا گھر صاف کر دیتا۔ پورے جنگل نے اسے بادشاہ کے روپ میں خوشی خوشی قبول کر لیا تھا، مگر دو جانور ایسے تھے جنھیں موٹو ہتھو بادشاہی کے تخت پر براجمان ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔

ابھی بھی وہ دونوں جانور اپنی اپنی جگہ غصے کے عالم میں موٹو ہتھو کو جنگل سے باہر نکالنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔

نہیں سمجھے! وہ دو جانور کون ہیں؟

''ارے بھئی، ایک سابق بادشاہ شیر اور دوسرا وہی چالاک جانور جو اپنی چالاکی سے دوسروں کی چونچ سے پنیر کے ٹکڑے اچک لیا کرتا ہے۔ اب تو سمجھ گئے نا!

ہاں تو پھر یوں ہوا، جب وہ دونوں منصوبہ بنا چکے تو اگلے دن اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے اپنے اپنے ٹھکانوں سے روانہ ہوئے، مگر.....

''جنگل کے باسیو! بادشاہ سلامت کا حکم سنو!

بادشاہ کا حکم ہے کہ آج پورا جنگل سہ پہر سورج ڈھلنے سے پہلے نیلی تتلی کے گھر کے سامنے پہنچ جائے۔ جو نہیں پہنچے گا اسے بادشاہ سلامت اپنی سونڈ پر اچھال کر بطور سزا شہر میں پھینک دیں گے۔''

موٹو ہتھو بادشاہ کا وزیر اونٹ صبح کا سورج نمودار ہوتے ہی پورے جنگل میں بادشاہ کا حکم سنانے لگا۔ سب جانوروں میں بادشاہ سلامت کا حکم سن کر سوچ کی ایک لہر دوڑ گئی۔

ہر کوئی اپنی اپنی جگہ یہ سوچنے لگا کہ بادشاہ سلامت نے کیوں بلایا ہے؟ ایسے میں وہ دو جانور اپنے اپنے منصوبے پر عمل شروع کرنے سے رہ گئے تھے، اس لیے ان کا غصے سے بُرا حال تھا، لیکن وہ صبر کے گھونٹ پیتے ہوئے نیلی تتلی کے گھر چل پڑے۔

سورج ڈھلنے سے ایک گھنٹا پہلے سب جانور نیلی تتلی کے گھر کے سامنے جا پہنچے۔

نیلی تتلی کا گھر ایک سرسبز باغ میں تھا، جس میں ہر طرف رنگ برنگے پھول اُگے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلنے سے باغ کا منظر مزید خوب صورت ہو گیا تھا۔ سب جانور خوشی خوشی ادھر سے ادھر پھرنے لگے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سب سیر کرنے آئے ہوں۔ ایسے میں صرف وہ دونوں منہ بنائے الگ تھلگ بیٹھے تھے۔

سب باغ کی سیر سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ بادشاہ کی آمد کا نقارہ گونج اٹھا۔

''بادشاہ سلامت زندہ باد! بادشاہ سلامت زندہ باد!''

سب جانور خوشی سے نعرے لگانے لگے۔

موٹو ہتھو اپنے لیے بادشاہ کا لفظ سن کر خوشی سے جھوم اُٹھا اور سونڈ لہرا لہرا کر خوشی کا اظہار کرنے لگا۔ سب کے قریب پہنچتے ہی وہ بادشاہ کی مخصوص جگہ پر جا کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

''اے میرے پیارے دوستو! مجھے آپ سب کو یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ میں آپ سب سے ایک فیصلہ کرانا چاہتا ہوں۔ کیا سب انصاف سے فیصلہ کریں گے؟''

موٹو ہتھو نے پُراسرار لہجے میں کہتے ہوئے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔

''ہاں، ہم انصاف کریں گے۔ ہاں، ہم انصاف کریں گے۔'' پورا جنگل چلا اُٹھا تو شیر غصے سے بل کھا کر رہ گیا۔ لومڑی غصہ کھا کر اپنی طاقت کم کرنے کے بجائے موٹو ہتھو کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں نت نئے منصوبے بنا رہی تھی۔

''کچھ ساتھیوں کو میرے جیتنے پر بہت غصہ ہے، اس لیے آج سب ایمان داری سے بتاؤ کہ جنگل کا بادشاہ بننے کے لائق کون ہے؟ بتاؤ!''

''بادشاہ ہتھو!''

پورا جنگل یک زبان ہو کر چلا اُٹھا۔ موٹو ہتھو نے فخر سے سونڈ ہوا میں لہرا کر خوشی کا اظہار کیا، جب کہ شیر اور بی لومڑی کا غصہ اور بڑھ گیا۔ جیسے ہی موٹو ہتھو جلسہ برخاست کر کے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا، شیر اور بی لومڑی درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے اس کا تعاقب کرنے لگے۔

''بادشاہ سلامت! آپ!؟''

''بی لومڑی! تم!؟''

ندی پار کرنے کے لیے مجبوراً شیر اور لومڑی جوں ہی درختوں کے عقب سے نکلے ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تھے۔

پل بھر کو تو شیر گڑبڑا گیا، کیوں کہ کچھ دیر بعد کے موٹو ہتھو کے قتل کی گواہ سامنے کھڑی تھی۔ وہ بولنے کے لیے کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ بی لومڑی بول اٹھی:

''بادشاہ سلامت! آپ کا تو پتا نہیں، لیکن میں تو اس موٹو ہتھو کو جان سے مارنے جا رہی ہوں۔'' بی لومڑی نے گردن آسمان کی طرف اٹھا کر خوف ناک لہجے میں کہا تو شیر چونک اٹھا۔ اسے بی لومڑی کی بہادری نے دنگ کر دیا تھا۔

''ہاں ہاں، ہم بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہے ہیں۔ ویسے کیا تم ہمیں ابھی بھی اس جنگل کا بادشاہ مانتی ہو؟'' فخر سے گردن اکڑائے دم ہلاتے ہوئے شیر بولا تو لومڑی زور زور سے ہنسنے لگی۔

''بادشاہ سلامت! سمجھنے سے کیا مراد۔ آپ ہمیشہ اس جنگل کے بادشاہ رہیں گے۔ اس موٹو ہتھو کا انتخاب تو لوگوں نے بس یوں ہی منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے کیا ہے، ورنہ ان کے دلوں و دماغ میں آپ ہی کا نام ہے۔''

بی لومڑی نے چالاکی سے کہا تو شیر کی آنکھوں میں بادشاہت کا غرور اُتر آیا، لیکن جب اس کی نگاہ ندی کے پانی میں بنے اپنے عکس پر پڑی تو وہ افسردہ ہو گیا اور بولا:

''بی لومڑی! ہمارا کوئی بھی ادب نہیں کرتا نہ ہی ہمیں اب کھانے کے لیے گوشت میسر ہے۔ ہم روز بروز کم زور ہوتے چلے جا رہے ہیں، شاید ہم موٹو ہتھو کو مار نہیں پائیں۔ کیا تم مار سکتی ہو؟''

شیر کا اتنا پوچھنا تھا کہ بی لومڑی کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔ کہاں موٹو ہتھو اور کہاں بی لومڑی۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ موٹو ہتھو کو جان سے تو کیا مارتی، اس کا پاؤں بھی زخمی نہیں کر سکتی تھی، لیکن یہ کچھ سب معلوم کرنے کے باوجود بھی وہ شیر کے سامنے انکار کر کے اس کی نگاہ میں بزدل نہیں بننا چاہتی تھی، اس لیے پُرغرور انداز میں موٹو ہتھو کو مارنے کی حامی بھرتے ہوئے ندی پار کرنے لگی۔ اسے سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے موٹو ہتھو کے گھر پہنچنا تھا۔

☆.....☆.....☆

''بادشاہ سلامت! میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔'' شاہی تخت پر براجمان موٹو ہتھو کے پاؤں دباتے بندر نے کہا تو اردگرد بیٹھے سبھی جانور چونک پڑے۔

''میاں بندر! تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو؟'' سانپ نے اپنے بل سے منہ نکال کر پوچھا تو سبھی سوالیہ نگاہوں سے بندر کو گھورنے لگے۔

''ہاں ہاں، بتاؤ بندر میاں!'' موٹو ہتھو نے بھی دایاں کان ہلاتے ہوئے اسے بولنے پر اُکسایا تو وہ موٹو ہتھو کی پیٹھ پر چڑھتا ہوا کان کے پاس جا بیٹھا۔

''آج نیلی تتلی کے گھر کے باہر جب آپ جلسہ کر رہے تھے تو میں نے شیر کو دیکھا تھا، وہ خون خوار نگاہوں سے آپ کو گھور رہا تھا اور جب ابھی میں آپ کے لیے کھانا لینے گیا تو لومڑی اور شیر ندی کنارے کھڑے آپس میں کچھ بات کر رہے تھے۔ میری مانیے بادشاہ سلامت! دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔'' بندر میاں نے جلدی جلدی کہا تو سب سوچ میں پڑ گئے، پھر کافی دیر خاموشی کے بعد بلی کی طنزیہ آواز اُبھری:

''بندر میاں! تم بھی نا! لومڑی اور شیر، دونوں بھی مل کر آ جائیں تو وہ بھی بادشاہ سلامت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کہاں بادشاہ سلامت اور کہاں وہ دونوں!''

بلی اتنا کہہ کر دوبارہ پتلی پتلی ٹہنیوں کو توڑنے میں لگ گئی جو آگ جلانے کے کام آتی ہیں۔

''بی بلی! ایک بات یاد رکھیے گا۔ لڑائی طاقت کے بل پر نہیں، بل کہ ذہانت کے بل پر جیتی جاتی ہے اور مقابلے میں جب چالاک لومڑی ہو تو ہوش یار رہنا بنتا بھی ہے۔''

قد آور درخت کے تنے کے سہارے بیٹھے ایک بوڑھے دانا بندر نے کہا تو سب ایک دفعہ پھر سوچ میں پڑ گئے۔ ابھی سب سوچ میں ڈوبے ہوئے ہی تھے کہ داخلی دروازے پر لگی وہ گھنٹی بول اٹھی جو کسی زمانے میں چوہے میاں، بی بلی کے گلے میں باندھنے چلے تھے۔

موٹو ہتھو کے اشارے پر چنٹو خرگوش بھاگتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''کون ہے؟''

چنٹو نے چلا کر پوچھا۔ جواباً گھنٹی پھر بج اٹھی۔

''کون ہے گستاخ جسے بادشاہ سلامت کے دربار کے اصول تک معلوم نہیں۔'' سانپ اپنے بل سے سر نکال کر پھنکارا۔ جواب میں گھنٹی دوبارہ بج اٹھی۔

موٹو ہتھو کے محافظ زرافے نے سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور آہستہ آواز میں سب کو دروازے کے پاس جمع ہونے کا کہا۔ سب جانور دروازے کے پاس پہنچ گئے تو چنٹو نے دروازے پر لگی مضبوط تنے کی ٹہنی کو گھما دیا۔ لکڑی اور گھانس پھونس کا بنا دروازہ چرر کی آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا، مگر سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ دروازے پر کوئی بھی نہیں تھا۔ سامنے ندی کو جاتا راستہ بالکل سنسان نظر آ رہا تھا۔ اچانک چنٹو زور سے چلایا:

''دروازہ بند کر دو فوراً۔''

زرافے نے اپنی لمبی گردن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دروازہ جلدی سے بند کر دیا اور ٹہنی کو واپس گھما دیا۔ اب سب سوالیہ نگاہوں سے چنٹو کی طرف دیکھ رہے تھے جو سرگوشی نما آواز میں کہہ رہا تھا:

''میں نے پیپل کے درخت کے پیچھے بی لومڑی کو چھپتے ہوئے دیکھا ہے۔''

''اوہ!'' سب چنٹو کی بات پر حیرت زدہ رہ گئے تھے۔

''میری مانو تو دروازہ کھول دو، ایک لومڑی اتنے سارے جانوروں کے ہوتے ہوئے ہمارا اور بادشاہ سلامت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔'' زرافے نے کہا تو دانا بندر زور سے چلّایا:

''خبردار! ایسا مت کرنا۔ بی لومڑی کو کم زور نہ سمجھو۔ طاقت جسم میں نہیں، ذہن میں ہوتی ہے۔''

دانا بندر کی بات پر کسی نے دھیان نہیں دیا اور دروازہ کھول دیا۔ موٹو ہتھو خاموشی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس نے زرافے کو بہت سے اختیار دے رکھے تھے، کیوں کہ اسے زرافے پر پورا بھروسا تھا۔

ابھی دروازہ کھلے چند لمحے ہی ہوئے تھے کہ بی لومڑی ڈری سہمی اور لنگڑاتی ہوئی قریب آتی نظر آئی۔ وہ باقاعدہ کانپ رہی تھی اور بار بار زمین پر گر رہی تھی۔ سب کے دل میں اس کے لیے ہمدردی امڈ آئی۔ بادشاہ ہتھو سب سے زیادہ بے چین نظر آرہا تھا۔ اس نے پورے جنگل سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ بی لومڑی دروازے کے قریب آ تو گئی، لیکن ڈری ڈری سی کھڑی تھی۔ چنٹو، موٹو ہتھو کے اشارے پر قلانچیں بھرتا ہوا اُس تک جا پہنچا۔

''کیا ہوا بی لومڑی! اتنی پریشان کیوں ہو؟ ارے، تمھارے منہ سے تو خون نکل رہا ہے۔'' چنٹو کا اتنا کہنا تھا کہ بی لومڑی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ چنٹو اُسے چپ کرانے لگا، لیکن وہ کسی طور پر چپ ہوتی نظر نہیں آرہی تھی۔

''چلو، تم بادشاہ سلامت کے پاس چلو اور جو پریشانی ہے وہ انھیں بتاؤ۔'' چنٹو نے کہا تو بی لومڑی فوراً چپ ہوگئی اور سہمے ہوئے لہجے میں بولی:

''وہ مجھے کچھ کہیں گے تو نہیں؟''

''ارے نہیں، بالکل بھی نہیں، بس تم چلو۔''

چنٹو یہ کہہ کر اُسے موٹو ہتھو کے پاس لے آیا۔

''کہو بی لومڑی! کیا ہوا؟'' موٹو ہتھو نے پوچھا۔

بی لومڑی گردن جھکائے کچھ لمحے سوچتی رہی، پھر بول اٹھی:

''بادشاہ سلامت! شیر نے مجھے بہت مارا ہے، وہ مجھے کھانا چاہتا تھا۔ میں نے کہا بھی کہ بادشاہ سلامت کے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی مت کرو، لیکن وہ کہنے لگا: 'میں کسی اور کو بادشاہ کو نہیں مانتا، میں ہی یہاں کا بادشاہ ہوں۔' بس اتنا کہہ کر وہ مجھ پر جھپٹا۔ وہ تو اچھا تھا کہ پاس ہی ندی تھی، میں نے فوراً ندی میں چھلانگ لگا دی۔ بہت مشکل سے جان بچا کر یہاں تک پہنچی ہوں۔'' بی لومڑی کے خاموش ہوتے ہی موٹو ہتھو بول اٹھا:

''شیر کو فوراً گرفتار کر کے ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔'' موٹو ہتھو کا اتنا کہنا تھا کہ بی لومڑی خوف سے تھر تھر کانپنے لگی۔

اس نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ موٹو ہتھو شیر کو گرفتار کرنے کا حکم دے گا۔ اس سے قبل کہ چیتا اور زرافہ، شیر کو گرفتار کرنے کے لیے روانہ ہوتے، بی لومڑی بول اٹھی:

''بادشاہ سلامت! انھیں کہیے کہ رک جائیں، کیوں کہ ہمارے جنگل کے ساتھ ہی شیروں کی بستی ہے، وہ ضرور ہم سے بدلہ لیں گے۔ ہمیں کوئی اور تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔''

بی لومڑی کی بات میں وزن تھا، اسی لیے سبھی گہری سوچ میں گم ہوگئے۔ ان کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آرہا تھا کہ وہ اتنے چالاک جانور پر کیسے اعتبار کریں۔ دانا بندر، بی لومڑی کو مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ اپنے خدشے کا اظہار کرتا، موٹو ہتھو بول اٹھا:

''تدبیر کی تجویز تمھاری ہے تو تدبیر بھی تم ہی بتاؤ۔''

موٹو ہتھو نے دایاں کان ہلاتے ہوئے کہا تو لومڑی کی آنکھوں میں مکاری کی چمک دوڑ گئی۔ وہ فوراً موٹو ہتھو کے قریب آ گئی اور آہستگی سے بولی:

''بادشاہ سلامت! اپنا کان پاس لائیے۔''

''مگر تم بے خوف ہو کر تدبیر بتاؤ، یہ سب میرے وزیر مشیر ہیں۔ ان کے سامنے میں ہر بات کرنے کا پابند ہوں۔''

موٹو ہتھو نے بایاں کان جھکاتے ہوئے کہا تو بی لومڑی ایک لمحے کے لیے گھبرا گئی، پھر بولی:

''بادشاہ سلامت! تدبیر ایسی ہے کہ کسی کو بھی پسند نہیں آئے گی، اس لیے خود ہی سن لیجیے۔''

بی لومڑی کی بات سن کر موٹو ہتھو سوچ میں پڑ گیا۔ اچانک موٹو ہتھو نے سونڈ ہوا میں لہرائی، جو اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ تنہائی چاہتا ہے۔ سبھی یہ اشارہ پا کر سر جھکائے آداب کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ جب سب چلے گئے تو بی لومڑی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا، جس پر موٹو ہتھو اُسے حیرانی سے تکنے لگا۔

''معافی چاہتی ہوں بادشاہ سلامت! دراصل میں وہ خوش قسمت ہوں جسے اپنے نیک دل بادشاہ کی خدمت کا موقع ملا ہے۔ کیا میں آپ کے لیے کھانا تیار کروں؟'' بی لومڑی موٹو ہتھو کو باتوں میں لگا کر اُس کا دھیان بٹانا چاہ رہی تھی، کیوں کہ اس نے دیکھا تھا دانا بندر جانے سے پہلے موٹو ہتھو کے کان میں کچھ کھسر پھسر کر گیا تھا، جبھی موٹو ہتھو اُسے مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''دیکھو بی لومڑی! ہمیں تدبیر بتاؤ اور اپنے گھر جاؤ۔ ہم واقعۃً آرام کرنا چاہتے ہیں۔''

موٹو ہتھو نے روکھے لہجے میں کہا تو بی لومڑی کا اعتماد ڈانواں ڈول ہونے لگا، پھر شیر کی دھمکی یاد آئی کہ اگر اُس نے موٹو ہتھو کو ختم نہ کیا تو وہ اسے ختم کر دے گا۔ اپنی موت کا سوچ کر ہی اس کے جسم میں پھریری سی دوڑ گئی اور وہ کہنے لگی:

''بادشاہ سلامت! یہاں سے ایک میل کے فاصلے پر برگد کا درخت ہے، جس کے پاس ایک کوہ میں شیر رہتا ہے۔ اگر آپ اور میں ساتھ جا کر اُسے دھوکے سے ختم کر دیں تو آپ کی مخالف پارٹی ختم ہو جائے گی اور آپ ہمیشہ اس جنگل کے بادشاہ رہیں گے۔ اگر شیر زندہ رہا تو وہ ایک نہ ایک دن سبھی کو ورغلانے میں کام یاب ہو جائے گا۔''

بی لومڑی نے آہستہ آواز میں ساری تدبیر کہہ سنائی۔ شیر کو مارنے والی بات پر موٹو ہتھو دائیں ٹانگ زور زور سے زمین پر مارنے لگا۔ اس نے بادشاہت کا تاج پہننے کے ساتھ ہی پورے جنگل سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کبھی ناحق خون نہیں بہائے گا۔ اس کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا، لیکن جب اسے دانا بندر کی بات یاد آئی تو وہ کہہ اٹھا:

''ٹھیک ہے، ہم علی الصبح برگد کے درخت کے پاس پہنچ جائیں گے۔ تم بھی یاد سے آجانا۔ اب ہم آرام کریں گے، تم جا سکتی ہو۔''

موٹو ہتھو نے اجازت کیا دی، بی لومڑی نے بیٹھے بٹھائے وزیر بننے کے خیالات بُن ڈالے۔ شیر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے ضرور بھاری اکرام و انعام سے نوازے گا۔

بی لومڑی کے جاتے ہی درخت کی کھوہ میں بیٹھا سانپ رینگتا ہوا موٹو ہتھو کے قریب چلا آیا۔

جوں ہی بانکے مرغے نے اپنی میٹھی رسیلی آواز میں اذان دے کر صبح کے اجالے کی نوید سنائی، موٹو ہتھو برگد کے درخت کی طرف چل پڑا۔ لومڑی پہلے ہی وہاں کھڑی تھی۔ موٹو ہتھو کو دیکھ کر وہ بائیں طرف مڑنے کا اشارہ کرنے لگی۔ بائیں طرف مڑنے کا اشارہ پا کر موٹو ہتھو سوچ میں پڑ گیا اور منہ سے بہت ہلکی سی چنگھاڑنے کی آواز نکالی۔ بی لومڑی اس کے آگے بڑھنے کا انتظار کر رہی تھی، مگر وہ چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ بی لومڑی سے صبر نہ ہوا تو قریب چلی آئی۔

''بادشاہ سلامت! تشریف لے چلیے۔ اگر شیر جاگ گیا تو بہت مسئلہ ہو جائے گا۔''

''ہاں، ہمیں اس بات کا احساس ہے بی لومڑی! مگر ہم کسی ہم نسل کی خوش بو فضا میں محسوس کر رہے ہیں۔ کتنے ہی دن ہوئے اپنے بھائیوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔'' موٹو ہتھو نے بی لومڑی کی توجہ سامنے سے ہٹاتے ہوئے اسے عقب میں مڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بی لومڑی برگد کے درخت کی طرف پشت کیے مزید ہاتھیوں کو کھوج ہی رہی تھی کہ اچانک غصے میں بپھرے ہوئے شیر نے پیچھے سے اس کی گردن پر چھلانگ لگائی اور اپنے تیز نوکیلے دانتوں سے اس کی گردن کو چیر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر موٹو ہتھو نے برگد کے درخت کی سیدھ میں دیکھا تو زرافہ، دانا بندر، سانپ اور اُس کے مزید سپاہی چلے آرہے تھے۔

''ہاں، کسی نے سچ ہی کہا ہے: جو دوسروں کے لیے گڑھا کھودتا ہے خود اُسی میں گر جاتا ہے۔''

دانا بندر نے پاس آتے ہی لومڑی کی لاش کو دیکھ کر افسردہ لہجے میں کہا تو شیر کو ہوش آیا۔ موٹو ہتھو تو تھا ہی اس پر بھاری، اس پر مزید اُس کے سپاہی بھی تھے۔ شیر نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور اپنی بستی کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ چیتے نے اس کا پیچھا کرنا چاہا، لیکن موٹو ہتھو نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ بھاگ کر اُس نے اپنے لیے ''خوف'' کی سزا تجویز کر لی ہے۔ اب ساری زندگی اسے اس جنگل کے مکینوں سے چھپ کر گزارنی ہوگی، چاہے کہیں بھی گزارے۔

''صحیح فرمایا حضور! یہ شیر تھا بھی بہت بے وقوف، فوراً ہی میری باتوں میں آگیا۔ جیسے ہی میں نے کہا کہ بی لومڑی، بادشاہ سلامت کے ساتھ آپ کو مارنے آرہی ہے تو آپے سے باہر ہو گیا اور پھر.....''

دانا بندر اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''چلو، جو ہوا اچھا ہوا۔ اب فوراً بائیں راستے پر موجود ٹوٹے ہوئے پل کی مرمت کراؤ، جس کے ذریعے بی لومڑی ہمیں موت کے منہ میں دھکیلنا چاہتی تھیں۔''

موٹو ہتھو نے گھوڑے اور گدھے سے کہا اور اپنی آرام گاہ کی طرف چل دیا۔ سپاہی پل کی جانب اور سانپ، دانا بندر اور زرافہ، موٹو ہتھو کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ اس دن کے بعد جنگل میں بسنے والوں نے کبھی اس شیر کو نہیں دیکھا۔ دانا بندر کی قیاس آرائی ہے کہ اس شیر کو ساتھ والی شیروں کی بستی نے بھی اپنی اصول پسندی کی وجہ سے پناہ دینے سے انکار کر دیا ہوگا۔

دوستو! کہتے ہیں: آج پچیس سال ہو گئے، اس جنگل میں بادشاہ ہتھو کی بادشاہت قائم ہے، اس لیے یاد رکھیے، عاجزی اور ایمان داری ہمیشہ کے لیے ہوتی ہے، جب کہ غرور اور ظلم کو ایک نہ ایک دن بھاگنا ہی پڑتا ہے۔

تاریخی جھانکیاں

شیر کو حکم

محمد حذیفہ رفیق زم زمی۔ کراچی

بہت سے صحراؤں کو عبور کرنے کے بعد اَب لشکر ایک بڑے چٹیل میدان میں پہنچ چکا تھا۔ یہ میدان انتہائی مناسب اور محفوظ مقام پر واقع تھا۔ ساتھ ہی یہاں فاصلے فاصلے سے سبزہ بھی تھا، جس کی وجہ سے جانوروں کی خوراک کا بھی قدرتی انتظام تھا، چناں چہ امیر لشکر نے یہیں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دے دیا۔

پورا لشکر جماعتوں میں تقسیم ہو کر خیمے نصب کرنے، سواریوں سے سامان اتارنے اور دیگر انتظامات میں مصروف ہو گیا۔ سورج ڈھلنے سے پہلے پورا لشکر خیموں کے سائے میں آ چکا تھا۔ لکڑیوں پر ہانڈیاں چڑھ چکی تھیں اور سورج ڈھلتے ہی پورا میدان اذانوں سے گونج گیا۔ تکبیر کی صدائیں، دیو قامت پہاڑوں سے ٹکرا کر فضا میں ایک پُرکیف منظر پیدا کر رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے پہاڑ اور میدان، سب کے سب اس مقدس صدا سے جھوم گئے ہوں ؎

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

یہ ایک اسلامی لشکر تھا جو ایشیا کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا، اس میں تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے علاوہ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہم رکاب تھے۔

عشا کے بعد ماحول میں سناٹا چھا چکا تھا، پُرسکون فضا میں چمکتے ستارے بہت بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ جیسے جیسے رات کی تاریکی گہری اور اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا، سناٹا بھی گہرا اور کسی قدر خوف ناک ہوتا جا رہا تھا۔

اب صرف لشکر کے پہرے دار ہی جاگ رہے تھے۔ امیر لشکر نے میدان کے چاروں طرف پہرہ مقرر کیا تھا۔ میدان کے مشرقی جانب چند سپاہیوں کا خصوصی پہرہ تھا، کیوں کہ اس طرف درختوں اور جھاڑیوں سے گنجان جنگل تھا۔ گزشتہ شام آس پاس کی بستی والوں اور گزرنے والے چرواہوں نے بتایا تھا کہ اس جنگل میں کچھ درندے بھی ہیں، کبھی کبھار وہ رات کے وقت اس طرف سے باہر نکل آتے ہیں۔

میلوں کا سفر طے کرنے کے بعد پورا لشکر گہری نیند میں ڈوب چکا تھا۔ ماحول پر سناٹا طاری تھا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے جنگل کے اندر سے کسی گیدڑ کی اور اُلو کی آواز آتی اور کھلی فضا میں گم ہو جاتی۔

جنگل کے قریب ایک خیمے میں چند لوگ آرام کر رہے تھے۔ باقی خیموں کی طرح اس خیمے کے سارے لوگ بھی گہری نیند سو چکے تھے، لیکن جعفر بن زید پوری طرح جاگ رہا تھا۔ اگرچہ وہ بستر میں دبک کر لیٹا ہوا تھا، لیکن اس کی نظر خیمے کے دروازے کے ساتھ والے بستر پر تھی۔ وہ کسی غیر معمولی حرکت کا منتظر تھا، بالآخر اُس کا گمان سچ ثابت ہو گیا!

رات کا تقریباً ایک تہائی حصہ گزر چکا تھا۔ اب بظاہر پورے لشکر میں پہرہ داروں کے سوا کوئی بھی نہیں جاگ رہا تھا کہ اسی کونے والے بستر میں حرکت ہونے لگی، ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ وہ شخص اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس نے اٹھ کر خیمے میں موجود تمام بستروں کا سرسری جائزہ لیا۔ اگرچہ تاریک رات میں کچھ صاف نظر نہیں آ رہا تھا، لیکن خیمے کے دروازے سے داخل ہونے والے چاندنی کی مدد سے کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ اپنا اطمینان کر کے وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور دبے پاؤں خیمے سے باہر نکل گیا۔ اُس کے نکلتے ہی جعفر بن زید بھی بستر سے اٹھا اور اُٹھ کر باہر نکل آیا۔

خیمے سے باہر نکل کر چند لمحوں تک اس شخص نے اطراف کا جائزہ لیا، لیکن پھر تیز قدموں کے ساتھ جنگل کی طرف بڑھ گیا، شاید وہ پہرے داروں کی نگاہوں سے بھی اوجھل ہونا چاہتا تھا۔

جعفر بن زید مناسب فاصلہ رکھ کر اُس کا پیچھا کر رہا تھا۔ جنگل کے اندر جاتے ہوئے اسے ڈر لگ رہا تھا، لیکن جعفر نے بھی ٹھان رکھی تھی

کہ اُس شخص کا پیچھا کرنا ہے، اس لیے اپنی تمام تر طاقت ہمت جمع کر کے وہ بھی درختوں کے درمیان چل پڑا۔

چند قدم آگے جانے کے بعد ایک کھلی جگہ نظر آئی، وہاں پہنچ کر اُس شخص نے وضو کیا، اپنی چادر بچھائی اور اللہ اکبر کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی۔

جعفر بن زید کہتے ہیں: ''ہم نے بصرہ میں رہتے ہوئے سنا تھا کہ یہ شخص بہت زیادہ عبادت کرنے والا ہے اور یہ بھی سنا تھا کہ یہ تنہائی میں ہی زیادہ عبادت کرتا ہے، اس لیے کبھی دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب جب سفر میں ساتھ نکلے تھے تو میں نے سوچا کہ یہ اچھا موقع ہے جانچنے کا۔ خوب پتا چل جائے گا کہ یہ سنی سنائی بات کس حد تک درست ہے؟

لیکن اب یوں لگ رہا تھا کہ جیسے یہ جانچنا مہنگا پڑ گیا ہے!

سناٹے میں جب اُس شخص نے نماز شروع تو مجھے ایک انجانا سا خوف آنے لگا۔ میں اپنی تلوار بھی خیمے میں بھول آیا تھا۔ رہ رہ کر مجھے یہ خیال آ رہا تھا کہ اگر چرواہوں کی بات درست ثابت ہوگئی تو کیا ہوگا؟

میں اپنے خیال کو جھٹک دیتا، لیکن چند لمحوں بعد پھر یہ خیال میرے دماغ پر سوار ہو جاتا۔ میرے دل و دماغ اسی کش مکش میں تھے کہ اچانک وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ دور سے ایک شیر آتا ہوا نظر آیا۔ خوف سے میرے پسینے چھوٹ گئے۔ جسم کے بال کھڑے ہو گئے، ہاتھ پاؤں کپکپانے لگے۔ میں ہمت کر کے درخت پر چڑھ گیا۔ چڑھتے ہوئے اچانک مجھے اس شخص کا خیال بھی آیا، لیکن پھر کچھ سوچے سمجھے بغیر میں اوپر چڑھ گیا۔

شیر مسلسل قریب آتا جا رہا تھا اور وہ شخص بدستور نماز میں مشغول تھا۔ شیر انتہائی قریب پہنچ چکا، لیکن اس شخص میں کوئی حرکت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ جب دونوں کے درمیان تھوڑا فاصلہ رہ گیا تو شیر رُک گیا، یہ فاصلہ بس اتنا تھا کہ شیر معمولی سی چھلانگ لگا کر اُس تک پہنچ سکتا تھا۔

وہ شخص اب بھی اطمینان سے نماز میں مشغول تھا۔ اس نے رکوع کیا اور خوب اطمینان سے کیا، پھر رکوع سے کھڑا ہوا تو سکون سے قومے میں کھڑا رہا۔

میں کبھی ایک خوف اور ناک خوں خوار شیر کو دیکھتا جو مسلسل دم ہلائے جا رہا تھا، جسے دیکھ کر میرا خون خشک ہو رہا تھا اور میرے اوپر خوف پوری طرح طاری تھا کہ کسی بھی وقت یہ درندہ اس شخص پر حملہ کر سکتا ہے۔

اور کبھی میں اس عجیب و غریب انسان کو دیکھتا، جس کے سامنے سے اس کی موت کھڑی تھی اور اُس پر اس کا کوئی اثر ہی نہیں تھا۔ یا تو وہ اس درندے سے بے خبر تھا یا پھر اُس کی جرأت اور دلیری کا کوئی جواب نہیں تھا یا پھر اُسے کسی غیبی طاقت پر بے پناہ بھروسا تھا۔ نجانے کیا وجہ تھی کہ وہ اس درندے سے متاثر تو کیا ہوتا، اس کے جسم میں تو کوئی حرکت بھی نہیں ہوئی اور میں درخت پر بیٹھا کانپ رہا تھا۔

اس کے بعد وہ سجدے میں چلا گیا۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور آنکھوں نے جھپکنا چھوڑ دیا۔ شیر دم ہلا رہا تھا اور مجھے ہر لمحے یوں لگ رہا تھا کہ بس اب شیر ایک جست لگائے گا اور قصہ ختم۔

لیکن وہ اسی طرح نماز پڑھتا رہا، یہاں تک کہ اس نے سلام پھیر دیا۔

اب میرا گمان تھا کہ شاید وہ اس درندے سے مقابلہ کرے گا یا اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر کرے گا۔

لیکن اس نے شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُسے دیکھا اور زور دار آواز اور کڑک دار لہجے میں کہا:

اَیُّهَا السَّبُع ! اُطْلُبِ الرِّزْقَ مِنْ مَكَانٍ آخَرَ!

(اے درندے! اپنا دانا پانی کہیں اور تلاش کر!)

جعفر بن زید کہتے ہیں: ''زمانوں کی حیرت اور تعجب اُس وقت میری آنکھوں میں جمع ہو گیا جب میں نے دیکھا کہ وہ درندہ وہیں سے پلٹا اور دھاڑتے ہوئے اور دم ہلاتے ہوئے واپس جانے لگا۔ اس کی دھاڑ ایسی تھی کہ پورا جنگل اس سے گونج اٹھا۔ پہاڑوں کے کلیجے چاک کرتی اس کی دھاڑ پوری وادی میں گونج رہی تھی!''

دوستو! کیا آپ جانتے ہیں کہ شیر سے گفتگو کرنے والا یہ شخص کون تھا؟

یہ بصرہ کے ایک مشہور تابعی ہیں، ان کا نام ہے:

صلۃ بن اشیم عدوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ان کی کنیت ابوالصہباء ہے۔ یہ بہت زیادہ عبادت کرنے والے تھے۔

جعفر بن زید کہتے ہیں: اس کے بعد بھی صلہ بن اشیم رحمہ اللہ تعالیٰ اسی طرح نماز پڑھتے رہے۔ صبح صادق کے قریب دعا مانگنے بیٹھے تو پہلے خوب اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ ایسی حمد و ثنا میں نے کبھی نہیں سنی تھی، اس کے بعد ایک عجیب دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ اَنْ تُجِيْرَنِیْ مِنَ النَّارِ اَوْ مِثْلِیْ يَجْتَرِءُ اَنْ يَسْاَلُكَ الْجَنَّةَ -

(اے اللہ! میں آپ سے بس اتنا سوال کرتا ہوں کہ مجھے جہنم کی آگ سے بچا لیجیے گا، بھلا مجھ جیسا اس کی جرأت کہاں کر سکتا ہے کہ آپ سے جنت کا سوال کرے!؟)

(ماخوذ از: صفۃ الصفوۃ: ۲/ ۱۰۸، رقم: ۴۸۹۔ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۴۹۹)

پیارا اپنا پاکستان

امان اللہ نیر شوکت ۔ لاہور

پیارا اپنا پاکستان اس پر واری اپنی جاں
اپنی دھرتی کے گُن گائیں بوڑھے ، بچے اور جواں
پیارا اپنا پاکستان

دیس کی دھرتی پیاری پیاری سب سے اچھی ، سب سے نیاری
اس میں میٹھے چشمے جاری دریا اس کے خوب رواں
پیارا اپنا پاکستان

جنگل جنگل ہریالی ہے باغ میں خوش ہر اک ڈالی ہے
رُت بھی یہاں پر متوالی ہے دل کی راحت کا ساماں
پیارا ہے اپنا پاکستان

دیس کا اپنے نام کریں گے دن اور رات ہر کام کریں گے
وقت پڑا تو اِس کی خاطر جانیں کردیں گے قرباں
پیارا اپنا پاکستان

کتنا پیارا اپنا وطن ہے بلبلیں ہم ، یہ اپنا چمن ہے
اس کے گُن گانے کی لگن ہے اس کی بڑھائیں گے ہم شاں
پیارا اپنا پاکستان

اس کا سبز ہلالی پرچم ہو نہ سکے گا کسی سے یہ خم
اس کی عظمت دنیا مانے قائم رکھیں اس کی آں
پیارا اپنا پاکستان

پانی کی کہانی ۱۳

جھگڑا پانی کا

نذیر انبالوی۔ لاہور

کافی دیر سے موٹر چل رہی تھی۔ موٹر کی آواز سے ظفر کے لیے کہانی لکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ اسے شام تک کہانی ماہ نامہ ''پیغام'' کو بھیجنی تھی۔ وہ جب بھی کہانی لکھنے کی کوشش کرتا، موٹر کی آواز سے اس کا چلتا قلم رُک جاتا تھا۔ وہ دوسری منزل کے ایک کمرے میں موجود تھا۔ دروازہ بند کرنے سے موٹر کی آواز قدرے کم ہوگئی تھی۔ اس نے اب تک کہانی کی ابتدائی سطور ہی لکھی تھیں۔ اتنے میں تیسری منزل سے خالہ کلثوم کی پکار سنائی دی، مگر اُن کی پکار پر کسی نے کان نہ دھرے۔ موٹر مسلسل چلتی رہی۔

پانی تیسری منزل کی چھت سے گلی میں گرنا شروع ہوگیا تھا۔ گلی میں شوکت کی موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ پانی سے اس کی موٹر سائیکل بھیگ گئی تھی۔ شوکت کا بیٹا احمد گلی میں آیا تو اُس نے شور مچایا:

''ابو ابو! ہماری موٹر سائیکل پر پانی گر رہا ہے۔'' یہ سن کر شوکت نے کمرے کی کھڑکی سے سر نکال کر آواز لگائی:

''موٹر بند کردو، پانی ضائع ہو رہا ہے۔'' شوکت کی بات پر بھی کسی نے موٹر بند نہ کی۔

ظفر ان آوازوں کو سن رہا تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر گلی میں آگیا۔ پہلی منزل میں رہائش پذیر رضا اور اُس کی بیگم اس وقت گھر میں نہیں تھے۔ دروازے پر بڑا سا تالا دکھائی دے رہا تھا۔

کچھ دیر بعد شوکت گلی میں ظفر کے ساتھ کھڑا تھا۔ پانی مسلسل گلی میں گر رہا تھا۔ ایسا آئے روز ہوتا تھا۔ پانی کی موٹر پہلی منزل میں تھی اور تینوں حصوں کے لیے ٹنکی تیسری منزل کی چھت پر رکھی تھی۔ تینوں حصوں میں کرائے دار تھے۔ تیسری منزل پر خالہ کلثوم کے ساتھ شوکت بھی کرائے دار کی صورت میں رہائش پذیر تھا۔ اس عمارت کا مالک اعجاز تھا۔ وہ ہر مہینے کی دس تاریخ کو کرایہ وصول کرنے آتا تھا۔ تمام کرائے داروں کا مطالبہ تھا کہ انھیں الگ الگ ٹنکی لگوا کر دی جائے۔ اعجاز ہر بار وعدہ کر کے جاتا، مگر اُس پر عملی قدم نہ اٹھاتا۔ کرائے داروں میں آئے روز موٹر کے بارے میں لڑائی جھگڑا ہوتا۔ تمام کرائے دار اپنے اپنے بجلی کے میٹر پر دس دس دن موٹر چلاتے تھے۔

موٹر چوں کہ پہلی منزل پر تھی، اس لیے اسے چلانے کی ذمے داری رضا اور اُس کی بیگم کی تھی۔ دوسری اور تیسری منزل کے مکین ''موٹر چلا دو، موٹر بند کردو'' کی صدائیں بلند کرتے رہتے اور رضا کی بیگم عائشہ کبھی تو فوراً موٹر بند کر دیتی یا چلا دیتی۔ کبھی اسے تھوڑی سی بھی تاخیر ہو جاتی تو اُسے جلی کٹی باتیں سننا پڑتیں۔

کچھ دیر بعد عائشہ آئی تو خالہ کلثوم نے اسے تیسری منزل سے دیکھ لیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی بولیں:

''موٹر چلا کر بازار چلی گئی تھیں۔ واہ بھئی واہ! تمھارے بھی کیا کہنے!''

''خالہ! تھوڑی دیر پہلے ہی گئی تھی۔ ترکاری والا گلی میں آتا تو مجھے بازار نہ جانا پڑتا۔'' عائشہ نے یہ کہتے ہوئے تالا کھولا۔

''اب جلدی سے موٹر بند کردو، پانی ضائع ہو رہا ہے۔'' خالہ کلثوم نے عائشہ کو گھورا۔

موٹر بند ہونے کے باوجود کافی دیر تک پانی گلی میں گرتا رہا۔ ظفر دوبارہ اپنے کمرے میں بیٹھ کر کہانی لکھنے میں مصروف ہوگیا۔ کہانی

اُلجھ کر رہ گئی تھی۔ ظفر نے کچھ سوچا اور لکھنے کے لیے کاغذ پر جھکا ہی تھا کہ خالہ کلثوم کی آواز گونجی:

''پانی بدبودار ہے، پانی استعمال نہ کرنا۔''

ظفر کمرے سے اٹھ کر بیسن کے پاس آیا۔ نل کھولا تو پانی میں سے واقعی بُو آرہی تھی۔ علاقے میں کچھ عرصے قبل ہی پینے کے پانی کے لیے نئے پائپ ڈالے گئے تھے۔ نہ جانے کہاں سے پینے کے پانی میں گٹر کا پانی مل رہا تھا۔

علاقے کے مکین کئی بار متعلقہ احکام تک گئے، مگر ہر بار انھیں تسلی دے کر رخصت کر دیا گیا۔ جب گٹر گندے پانی سے بھر جاتے تو پینے کے پانی میں بدبو آنا شروع ہو جاتی، پھر ٹنکی کو خالی کیا جاتا۔ صفائی کرنا تو ممکن نہ ہوتا، اس لیے بار بار موٹر چلا کر ٹنکی کو بھرا جاتا اور خالی کیا جاتا۔

اس سارے عمل میں عائشہ کو بار بار موٹر چلانا اور بند کرنا پڑتی۔ وہ کبھی کبھار زچ ہو کر اپنے کمرے میں بیٹھی رہتی۔ یہی وہ موقع ہوتا جب خالہ کلثوم نیچے آجاتیں اور دروازہ پیٹنا شروع کر دیتیں:

''عائشہ! کیا تم سو رہی ہو!؟''

''نہیں خالہ! سونا میری قسمت میں کہاں! میں تو ہر وقت حکم کی منتظر رہتی ہوں، اب میرے لیے کیا حکم ہے؟'' عائشہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہتی۔

''موٹر چلا دو، پانی ختم ہونے والا ہے!''

''اچھا پانی ختم ہونے والا ہے! آپ کو ہر وقت پانی کی فکر کھائے جاتی ہے، ابھی تو پانی آرہا ہے، یہ دیکھیے۔'' عائشہ نے نل کھولا تو پانی نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

''شام کے وقت سبھی لوگ بیک وقت موٹریں چلاتے ہیں، جس سے ٹنکی میں گندے پانی آنے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے موٹر چلانے کے لیے یہ وقت مناسب ہے۔''

خالہ کلثوم کی بات سن کر عائشہ نے موٹر چلائی تو اُس کی بے ہنگم آواز نے ظفر کے خیالات کو منتشر کر دیا۔ اب اس کے لیے کہانی لکھنا ممکن نہ رہا تھا۔ وہ کاغذ قلم ایک طرف رکھ کر بستر پر بیٹھ گیا۔

''موٹر بند کر دو، پانی بدبودار ہے، پانی خراب ہے، موٹر بند کر دو۔''

''خالہ! آپ نے مجھے ملازم رکھ لیا ہے کیا!؟ خود آ کر موٹر بند کر لیں۔'' عائشہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ خالہ کلثوم نے قدرے نرم انداز میں کہا:

''ضد مت کرو، موٹر بند کر دو۔'' عائشہ نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھی اور موٹر بند کر دی۔

اب ٹنکی سے پانی نکالنے کا عمل شروع ہوا۔ اس میں ایک ڈیڑھ گھنٹا لگ گیا۔ ظفر پانی کے چکر میں ایسا پڑا کہ کہانی اس سے دور، بہت دور ہوتی گئی۔ اسی پانی کے باعث شام کے وقت شوکت اور رضا ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ شوکت نے موٹر چلانے کے لیے آواز لگائی تو رضا اس وقت گھر میں موجود تھا۔ اس نے عائشہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ شوکت نے جب دوبارہ آواز لگائی تو رضا نے غصیلے انداز میں کہا:

''موٹر نہیں چلے گی، جو کرنا ہے کر لو۔''

یہ جملہ شوکت پر بم بن کر گرا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتا ہوا گلی میں آیا اور دروازہ پیٹنے لگا۔ رضا باہر نکل کر شوکت کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اب دونوں کے گریبان ایک دوسرے کے ہاتھوں میں تھے۔ ظفر کے نیچے آنے تک دونوں مکوں سے ایک دوسرے کی خبر لینے میں مصروف تھے۔

''مت لڑو، چھوڑو ایک دوسرے کو۔'' ظفر نے آگے بڑھ کر دونوں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

شور سن کر محلے کے دیگر لوگ بھی گلی میں آگئے۔ اب دونوں الگ الگ کھڑے غصے میں بھرے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

''غصہ تھوک دو، آؤ میری بیٹھک میں۔'' مبشر نے دونوں کے ہاتھ پکڑ لیے۔

کچھ دیر بعد محلے کے لوگ مبشر کی بیٹھک میں موجود تھے۔ دونوں کا غصہ ابھی تک کم نہیں ہوا تھا۔ مبشر نے ساری بات جان کر کہا:

''سارا جھگڑا پانی کا ہے۔ میں اعجاز کو فون کرتا ہوں، آج اس مسئلے کا حل نکالتے ہیں۔''

''اور وہ گندہ، بدبودار پانی!'' ظفر نے اتنا کہا تو مظفر نے جواب دیا:

''اس کا حل بھی تلاش کرتے ہیں، گرمی کا موسم آنے والا ہے، پانی کی طلب بڑھ جائے گی، ہمیں خود اس کا حل تلاش کرنا ہوگا۔''

اعجاز کے آنے پر الگ الگ موٹر لگانے کا مطالبہ دہرایا گیا۔

''کل یہ کام ہو جائے گا۔'' اعجاز نے جواب دیا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۷ پر)

نیا سال مبارک

بعض قارئین مجھے باؤلا سمجھیں گے اور بعض سوچ رہے ہوں گے کہ شاید میرا دماغ چل گیا ہے۔ کچھ کا خیال ہوگا کہ شاید مجھے نئے سال کی مبارک باد دینے کی بہت جلدی ہے، جب کہ بعض انگشت بدنداں ہوں گے کہ بھلا یہ کون سا موقع ہے مبارک باد دینے کا؟ اگست کا مہینا چل رہا ہے اور ابھی تو نیا سال شروع ہونے میں چار ماہ باقی ہیں، حیرت اور تشویش میں مبتلا قارئین! ذرا ٹھہریے، بات سنیے، آپ میرے مضمون کو مکمل پڑھیے اور پھر فیصلہ کیجیے کہ کیا آپ میں یہ مبارک باد دینے میں حق بجانب ہوں یا نہیں؟

بات یہ ہے کہ ہم نے اسلامی روایات، اقدار، تاریخ اور واقعات کو بالکل بھلا دیا ہے۔

کیلنڈر کو تو آپ سب جانتے ہوں گے اور یہ بھی جانتے ہوں گے کہ ایک کیلنڈر ہے شمسی کیلنڈر اور دوسرا کیلنڈر ہے قمری کیلنڈر۔ ہم شمسی سال کی مبارک باد تو دیتے ہیں اور اُس کے مہینے اور تاریخ بھی پکی یاد رکھتے ہیں، لیکن ہجری کیلنڈر کے بارے میں اکثر کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ایسا کوئی کیلنڈر بھی ہے، مہینوں اور تاریخوں کو یاد رکھنا تو درکنار۔

اچھا خیر، یہ دو کیلنڈر ہیں، ایک کیلنڈر، شمسی کیلنڈر کہلاتا ہے، جب کہ دوسرے کو قمری کیلنڈر کہا جاتا ہے۔

شمسی کیلنڈر غیر مسلموں کا ایجاد کردہ ہے جو کہ جنوری سے شروع ہوتا ہے اور دسمبر پر ختم ہوتا ہے قمری کیلنڈر مسلمانوں کا بنایا ہوا کیلنڈر ہے، جسے ہجری کیلنڈر کہتے ہیں۔ اس کیلنڈر کے بارہ مہینے یہ ہیں: محرم، صفر، ربیع الاوّل، ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الثانی، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ، ذیالحجہ۔ اس کیلنڈر کا تقرر اور آغاز سن 18ھ میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور حکومت میں ہوا۔ قمری کیلنڈر کے سے روزے، دونوں عیدین، محرم الحرام، لیلۃ القدر اور شب براءت کا پتا چلتا ہے، جب کہ شمسی سال کے ساتھ نمازیں، نوافل، تہجد، ذبح کے اوقات وغیرہ اعمال زوابستہ ہیں۔

قمری مہینے کی تاریخ یاد رکھنا فرض کفایہ ہے۔ آپ کے سوال ''فرض کفایہ کیا ہوتا ہے؟'' کا جواب دے رہا ہوں۔ اگر کسی علاقے میں کسی ایک شخص کو بھی قمری (ہجری) تاریخ یاد نہ ہو تو سب علاقے والے ''فرض'' چھوڑنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔

ہمیں چاہیے کہ جس طرح شمسی سال کے مہینوں اور تاریخوں کو یاد رکھا جاتا ہے، اسی طرح قمری سال کے مہینے اور تاریخوں کو بھی یاد رکھیں۔ اسلام کی روایات اور اقدار کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اپنی تقریبات اور ہر اُس جگہ جہاں انگریزی تاریخ لکھتے ہیں، ہجری تاریخ بھی لکھیں اور یوں ہم قمری تاریخ کو رواج دے سکتے ہیں۔

تمام قارئین کو میری طرف سے ''نیا اسلامی سال مبارک ہو!''

سمیع اللہ شاہ۔ بنوں

ادھوری کہانی

مریم شہزاد۔ کراچی

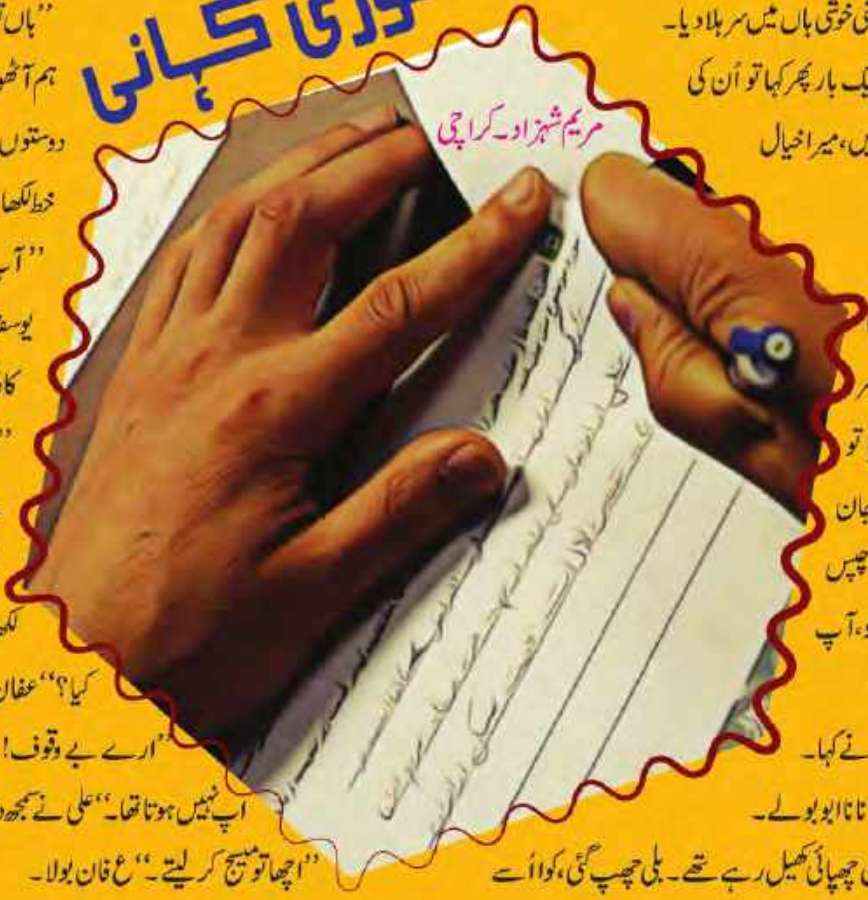

آج گھر میں سب بڑوں کو کہیں ضروری جانا تھا، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ بچوں کو کس کے پاس چھوڑا جائے، کیوں کہ ابھی چاروں بچے اتنے بڑے نہیں ہوئے تھے کہ اکیلے رہ سکیں۔ اتفاق سے نانا جان آج آفس سے جلدی آ گئے تو اُنھوں نے کہا کہ اس میں کیا مسئلہ ہے!؟ دو گھنٹے ہی کی تو بات ہے! بچے میرے پاس رک جائیں گے۔"

"ہائیں! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" نانو حیران ہو کر بولیں۔ "سنبھال لیں گے آپ ان چاروں کو!؟"

"کیا ہو گیا ہے بیگم! اتنے پیارے پیارے بچے ہیں۔ انھیں کیا سنبھالنا! ہم مزے مزے کی باتیں کریں گے، کیوں بچو!؟" انھوں نے بچوں سے پوچھا تو بچوں نے خوشی خوشی ہاں میں سر ہلا دیا۔

"سوچ لیں!" نانو نے ایک بار پھر کہا تو اُن کی بیٹی بولی: "امی! ابو کہہ تو رہے ہیں، میرا خیال ہے کہ ابو سنبھال لیں گے۔"

اور اس طرح سب روانہ ہو گئے۔ بچے کچھ دیر تو نانا جان کے پاس بیٹھے رہے، پھر آہستہ آہستہ کوئی پانی پینے گیا تو کسی کو بھوک لگ گئی۔ نانا جان کھانے کے لیے بسکٹ اور چپس لے کر آ گئے اور کہنے لگے: "چلو، آپ سب کو ایک کہانی سناتا ہوں۔"

"پہلے میں سناؤں؟" احمد نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے، تم سناؤ۔" نانا ابو بولے۔

"ایک بلی اور ایک کوا چھپن چھپائی کھیل رہے تھے۔ بلی چھپ گئی، کوا اُسے ڈھونڈنے لگا: کائیں، کائیں (کہاں ہے کہاں ہے؟)" بلی بولی: "میاؤں، میاؤں (میں یہاں ہوں، میں یہاں ہوں۔)" احمد نے کہانی سنائی اور مزے سے چپس کھانے لگا۔ نانا ابو اُس کی شکل دیکھتے رہ گئے۔ اتنی مکمل اور مختصر کہانی، زبردست! انھوں نے دل میں سوچا۔

اتنے میں علی بولا: "نانا ابو! اب آپ سنائیں نا!"

"ہاں، میں سناتا ہوں۔ چلو میں اپنے بچپن کا قصہ سناتا ہوں، جب ہم آٹھویں جماعت میں تھے....."

"ابھی تو آپ نے کہا کہ آپ بچپن کی کہانی سنائیں گے!" یوسف نے کہا۔

"جی بیٹا! بچپن کی ہی ہے۔"

"مگر آپ نے تو کہا کہ آپ آٹھویں جماعت میں تھے تو اُس میں تو بڑے ہو جاتے ہیں۔ میں تو پانچویں میں ہوں، لیکن بڑا ہوں۔" احمد نے کہا تو عفان بولا:

"کیا پتا، نانا ابو نے جمپ کی ہو اس لیے وہ چھوٹے رہ گئے ہوں۔"

"آپ کہانی سنائیں نانا جان!" علی نے کہا تو نانا ابو جو اُن کے تبصرے سن کر حیران ہو رہے تھے، نے کہنا شروع کیا:

"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ جب ہم آٹھویں جماعت میں تھے تو ہم دوستوں نے مل کر شرارت میں ایک خط لکھا....."

"آپ کتنے دوست تھے؟" یوسف نے ایک بار پھر بات کاٹی۔

"تین یا چار، شاید چار ہی تھے۔"

"لیکن آپ نے خط کیوں لکھا؟ واٹس اپ کیوں نہیں کیا؟" عفان نے پوچھا۔

"ارے بے وقوف! نانا ابو کے بچپن میں واٹس اپ نہیں ہوتا تھا۔" علی نے سمجھ داری سے کہا۔

"اچھا تو میسج کر لیتے۔" ع فان بولا۔

"ارے، کہانی تو سننے دو۔" احمد نے کہا تو نانا ابو نے جلدی سے کہانی شروع کر دی کہ دوبارہ کوئی تبصرہ نہ شروع ہو جائے، مگر یہ ان کی خام خیالی ہی تھی۔ ابھی انھوں نے آگے ایک جملہ ہی بولا کہ "اس خط میں ہم نے لکھا کہ ہم ڈاکو ہیں اور....."

"جھوٹ! آپ جھوٹ بولتے تھے؟"

"آپ کی امی آپ کو ڈانٹتی نہیں تھیں؟"

''ہماری امی تو کہتی ہیں کہ مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔''

''لیکن آپ تو اچھے بچے تھے نا! پھر کیوں جھوٹ بولا!؟'' سب بچوں نے باری باری جھوٹ پر لیکچر دینے کی کوشش کی۔ جب نانا ابو کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنی صفائی میں کیا کہیں تو انھوں نے کہانی آگے بڑھانے کی کوشش کی:

''جب ہم نے خط لکھا تو سب پریشان ہو گئے، کیوں کہ اس پر ہم نے پاؤں کے انگوٹھے سے مہر لگائی......''

''ایک اور گندی بات! توبہ توبہ! پیپر کو پاؤں لگایا!''

''اور وہ بھی لکھے ہوئے پیپر پر!'' نانا جان نے بچوں کو باری باری گھور کر دیکھا۔

''اچھا سوری، سوری! اب کچھ نہیں بولیں گے۔ علی! یوسف! عفان! اب سب چپ ہو کر کہانی سنو۔'' احمد نے نانا جان کو سوری کہہ کر اُن تینوں کو ڈانٹا۔

ابھی نانا ابو کچھ کہنا ہی چاہ رہے تھے کہ علی بول اٹھا:

''ویسے اگر آپ فون ہی کر لیتے تو زیادہ اچھا نہ ہوتا؟''

نانا ابو نے ایک بار پھر اُس کو دیکھا اور کہا:

''تم لوگوں کی امی کو کچھ زیادہ ہی دیر ہو گئی ہے، میں فون کر کے پوچھتا ہوں۔''

نانا ابو نے فون کیا اور کہا کہ جلدی آ جائیں، بچے بور ہو رہے ہیں اور سوچا کہ اب خاموشی ہی رہا، کیوں کہ ان بچوں کے سوالوں کے جواب دینا ان کے بس کی بات نہیں۔

رہا اُن کے بچپن کا قصہ، وہ پھر کبھی سہی۔

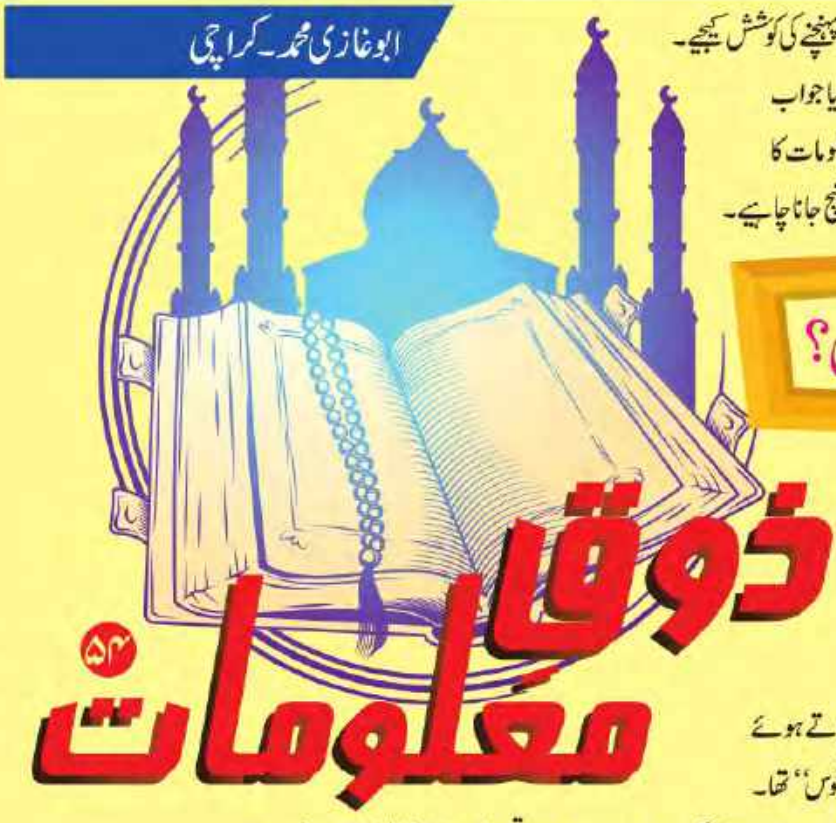

ابو غازی محمد۔ کراچی

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔ آپ کا جواب ۳۱، اگست تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

یہ کون ہیں؟

۱ یہ اسلام کے ابتدائی دور کے ایک عظیم فاتح اور سپہ سالار ہیں۔

۲ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں برِ اعظم افریقہ کا ایک ملک ''تیونس'' فتح کیا اور تیونس کے قریب ایک مناسب مقام پر فوجی چھاؤنی قائم کی۔ اسی مقام پر بعد میں ایک شہر آباد ہوا، جس نے ''قیروان'' کے نام سے عالم گیر شہرت حاصل کی۔

۳ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی شہر فتح کیے اور فتوحات کا پرچم لہراتے ہوئے شمالی افریقہ کی آخری حد مراکش تک پہنچ گئے۔ آگے ''بحرِ اوقیانوس'' تھا۔
آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بے اختیار اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا، لیکن موجوں نے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اس موقع پر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
''اے اللہ! اگر میرے راستے میں سمندر نہ آ جاتا اور زمین کی حد ختم نہ ہو جاتی تو فتح کا پرچم لہراتا اور توحید کے نعرے بلند کرتا چلا جاتا۔''
شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے اس واقعے کو اِس طرح نظم کیا ہے ؎

دشت تو دشت ، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

۴ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ کو افریقہ کے ''بربر'' قبائل کی فتنہ انگیزیوں کے خاتمے کے لیے روانہ کیا تھا۔

۵ ۶۸۳ء میں ایک بربر سردار نے (جو صرف ظاہراً مسلمان ہوا تھا) آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ کو دھوکے سے الجزائر کے مشہور مقام ''بسکرہ'' میں شہید کر دیا۔ اب یہ مقام آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نام سے منسوب ہے۔

میں صبح کی ورزش کے بعد واپس گھر کی طرف رواں دواں تھا کہ ایک گھر کے سامنے جا کر رُک گیا اور سانس درست کرنے لگا۔ میں اس وقت بہت تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا، اس لیے گھر کے گھر کے دروازے کے ساتھ موجود درخت کے سہارے چند منٹ کے لیے کھڑا ہو گیا۔

تھوڑی دیر رُکنے کے بعد میں چلنے ہی والا تھا کہ اچانک اندر سے آتی آوازوں نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ ویسے تو کسی کی باتیں اس کی لاعلمی میں سننا کوئی اچھی بات نہیں، لیکن چوں کہ آج کل میں ایک مسئلے میں گھرا ہوا تھا اور یہ باتیں بھی اسی مسئلے کے متعلق تھیں، اس لیے بلارادہ میرے کان اُن باتوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''ابا جان! کل میرا انٹرویو ہے۔'' ایک آواز سنائی دی جو یقیناً اس گھر کے مالک عمیر صاحب کے بیٹے ہادی کی آواز تھی جو میرا ہم عمر تھا۔

''اچھا بیٹا! کیسی تیاری ہے پھر آپ کی؟'' عمیر صاحب کی آواز سنائی دی۔ چوں کہ وہ میرے پڑوسی تھے اس لیے میں انھیں اچھی طرح جانتا تھا۔

''ابا جان! تیاری تو زبردست کی ہے، لیکن کاشف بتا رہا تھا کہ اس پوسٹ کے لیے بڑی بڑی سفارشیں چل رہی ہیں اور یہ بھی کہ انتخاب تو پہلے ہی ہو چکا ہے، یہ انٹرویو تو محض ایک بہانہ ہے۔'' ہادی کے لہجے سے مایوسی ٹپک رہی تھی۔

''میرا بھی تو یہی مسئلہ ہے، بل کہ ہر دوسرے نوجوان کا.....'' میں نے دل میں سوچا۔

''نہ نہ میرے بچے! اتنی نا اُمیدی بہت بری بات ہے۔ جو چیز تمھاری ہے اور جتنا تمھارا حصہ ہے وہ تو تمھیں ہی ملے گا۔ تم اپنے اسباب پورے رکھو، دعا کرو اور اگر اس کے باوجود تمھارا کام نہ ہو تو سمجھ جاؤ کہ اس میں کوئی مصلحت ہے۔'' عمیر صاحب نے اس کی ہمت بندھائی۔

''مصلحت! اس میں مصلحت کیسے ہو سکتی ہے بھلا؟ میں بے روزگار ہوں، گھر میں کھانے کو کچھ نہیں، بچوں کی اسکول فیس نہیں دے سکتے۔ یہ کیسی مصلحت ہے؟'' میرے ذہن میں کئی سوال ابھرے۔

''خبردار! اللہ کے علاوہ کسی اور کو مالک نہ سمجھ بیٹھنا، اور خود پر اعتماد کرنا سیکھو، نا اُمیدی حوصلے کو کھا جاتی ہے۔'' عمیر صاحب کی آواز دوبارہ ابھری۔

''جی ابا جان! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، میں غلط تھا۔ شکریہ ابا جان!'' ہادی نے معذرت آمیز لہجے میں کہا اور میں بھی دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہا تھا، کیوں کہ یہی غلطی میں نے بھی کی تھی۔

''اور آخری بات بیٹے! اللہ کی مصلحت پر کبھی شک مت کرنا۔ اللہ کے فیصلے ہمیشہ بہترین ہوتے ہیں، کبھی غلط نہیں ہوتے۔ صرف اسی دَر پہ جھکنا چاہیے جہاں سے ملنے کا یقین ہو اور وہ دَر اللہ کے سوا کس کا ہو سکتا ہے! ٹھیک ہے نا شہزادے!؟'' عمیر صاحب نے ایک اور نصیحت کی جو میرے دل میں اتر گئی، یوں لگتا تھا جیسے وہ یہ سب نصیحتیں اپنے بیٹے کو نہیں، بل کہ مجھے کر رہے ہوں۔

''جی جی بالکل، میں سمجھ گیا ابا جان!'' ہادی نے جواب دیا اور پھر اُن کی آوازیں معدوم ہو گئیں اور میں نے کچھ سوچتے ہوئے اپنے گھر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ واقعی عمیر صاحب نے ٹھیک کہا تھا۔

''ہاں میں غلط تھا اور کتنا غلط تھا پہلے، اف خدایا! یا اللہ! مجھے معاف فرما دے۔ میں بھول گیا تھا کہ جب ماننا تجھے ہوں تو مانگنا بھی تجھی سے

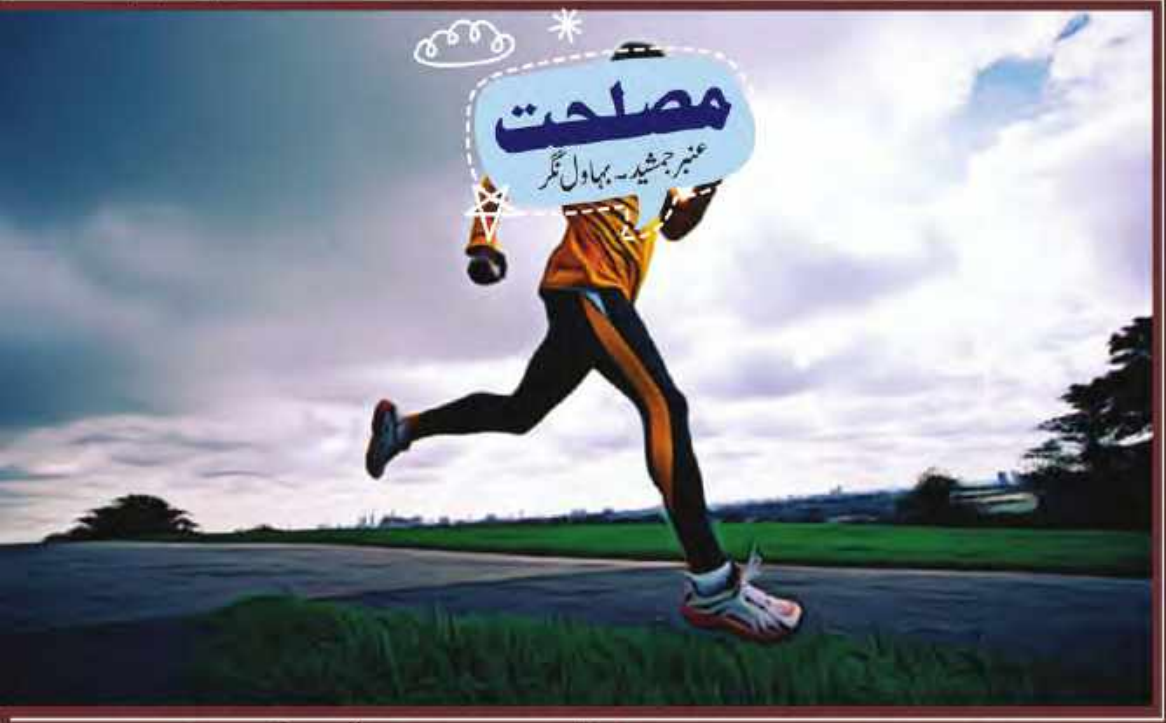

ہے۔'' آج میں اپنے مالک کو منانے آیا تھا، اس کے حضور توبہ کرنے آیا تھا۔ اس در پہ آیا تھا جہاں سے یقینی ملنے کی امید تھی۔

ہم اللہ کو اُس وقت پکارتے ہیں جب کہیں سے ملنے کی امید نہیں رہتی، جب کوئی نظر نہیں آتا تو اللہ نظر آتا ہے۔

امام صاحب کی سنائی گئی وہ حدیث ذہن کے پردے چاک کرتی محسوس ہوئی کہ اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اللہ سے مانگو۔

(السنن للترمذی، ابواب الدعوات، باب۔ الرقم: ۳۶۰۴)

''یا اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں، طیب، طاہر رزق۔ تیری محبت، تیری رحمت، سکونِ قلب اور ایمانِ کامل۔''

☆.....☆.....☆

جی تو ہم اپنے گیارھویں انٹرویو کے بعد کامیاب ٹھہرے۔ بے شک! اللہ نے مجھے بہترین عطا کیا۔

اور وہ جو دیر سے دینے میں مصلحت پوشیدہ تھی نا، وہ شاید یہ تھی کہ اس پریشانی نے مجھے میرے حقیقی مالک کے قریب کر دیا۔ میں نے اپنے مالک کو پہچان لیا اور اُس کے در پر جھک گیا۔

☆.....☆.....☆

''ہاں میں غلط تھا اور کتنا غلط تھا پہلے، اف خدایا! تُو نے ہدایت کی توفیق دی۔'' اب میرے ہاتھ حقیقی مالک کے سامنے دراز تھے۔ الحمدللہ!

بقیہ: جھگڑا پانی کا

دسرے دن کام کا آغاز کر دیا گیا۔ پلمبر نے دو دن مسلسل کام کر کے ہر منزل پر الگ الگ ٹنکی اور موٹر نصب کر دی۔ اب ہر حصے میں الگ الگ موٹر اور الگ لگ ٹنکی تھی۔

بدبودار پانی کا سراغ لگانے کے لیے ایک ماہر پلمبر کی خدمات حاصل کی گئیں۔ زمین کی کئی جگہوں سے کھدائی کی گئی۔ آخر پتا چلا کہ گلی کے ایک گٹر سے گندہ پانی صاف پانی میں مل رہا ہے۔ نیا پائپ ڈالا گیا تو صاف پانی کی آمد ہوئی۔

ظفر تین دن سے کہانی لکھنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ کہانی لکھنا اس کے لیے اس قدر مشکل تو نہ تھا۔

بظاہر مسئلہ بہت بڑا نہ تھا، صرف توجہ کی کمی تھی۔ جب سبھی لوگ ایک سوچ کو ساتھ لے کر چلے تو پانی کا مسئلہ حل ہو گیا۔ مسئلہ تو ظفر کا بھی حل ہو گیا تھا۔ اس سارے عمل میں اسے وہ کہانی مل گئی تھی جو موٹر کے شور اور لڑائی جھگڑے کے ہنگامے میں گم ہو گئی تھی۔

اب ہر طرف سکون تھا اور ظفر اُسی پُرسکون ماحول میں بیٹھا پانی کی کہانی لکھ رہا ہے۔

سوال آدھا، جواب آدھا ۹ شمارہ فروری ۲۰۲۰ء کے انعام یافتگان قارئین

کراچی: ☆ام ابراہیم۔ **حیدرآباد:** ☆سمن ایم فاروقی۔ **میر پورخاص:** ☆کرن بنت رفیق۔ **مردان:** ☆حمنہ افتخار۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر ماہ نامہ ''ذوق وشوق'' کی زینت بنے تو مندرجہ ذیل چیزوں کا خیال رکھیے:

☆ رجسٹر سائز کے بڑے صفحے پر ایک طرف لکھیے۔ ☆ سطر چھوڑ کر لکھیے۔ ☆ صفحے کی پیشانی پر ہی اپنا نام اور مکمل پتا لکھیے۔ ☆ کئی عنوانات کے تحت لکھا گیا مواد یکجا نہ کیجیے، بل کہ ہر ہر چیز کو علیحدہ صفحے سے شروع کیجیے۔ ☆ کوئی نظم لکھی ہے تو بھیجنے سے پہلے اگر ممکن ہو تو کسی پختہ شاعر کو دکھا دیجیے۔ ☆ کوئی اسلامی یا تاریخی واقعہ بھیج رہے ہوں تو آخر میں مکمل حوالہ ضرور لکھیے۔ ☆ کوشش کر کے از خود کہانی لکھیے، کہیں بھی شائع شدہ کہانی نقل کر کے نہ بھیجیے اور خیال رکھیے کہ آپ کی کہانی دل چسپ ہو۔ ☆ انعامی یا مستقل سلسلوں کے لیے بھیجی جانے والی چیز کا عنوان لفافے پر بھی ضرور لکھیے۔ ☆ کسی تہوار یا دن کی مناسبت سے کوئی تحریر بھیجنا چاہیں تو دو ماہ قبل بھیجیے۔ ☆ اپنی تحریر ارسال کرنے سے پہلے اس کی ایک عدد فوٹو کاپی اپنے پاس ضرور رکھ لیجیے اور ہمیں اصل کاپی ارسال کیجیے۔ ☆ انعامی کوپن کو مکمل اور صاف تحریر سے پُر کریں۔ ☆ انعامی کوپن کے جوابات کو صاف کاغذ پر لکھ کر کوپن کے ساتھ اسٹرپلر یا چسپاں کر کے بھیجیے۔ ☆ خطوط میں اپنا نام و شہر ضرور لکھیں۔

سفید بکرا

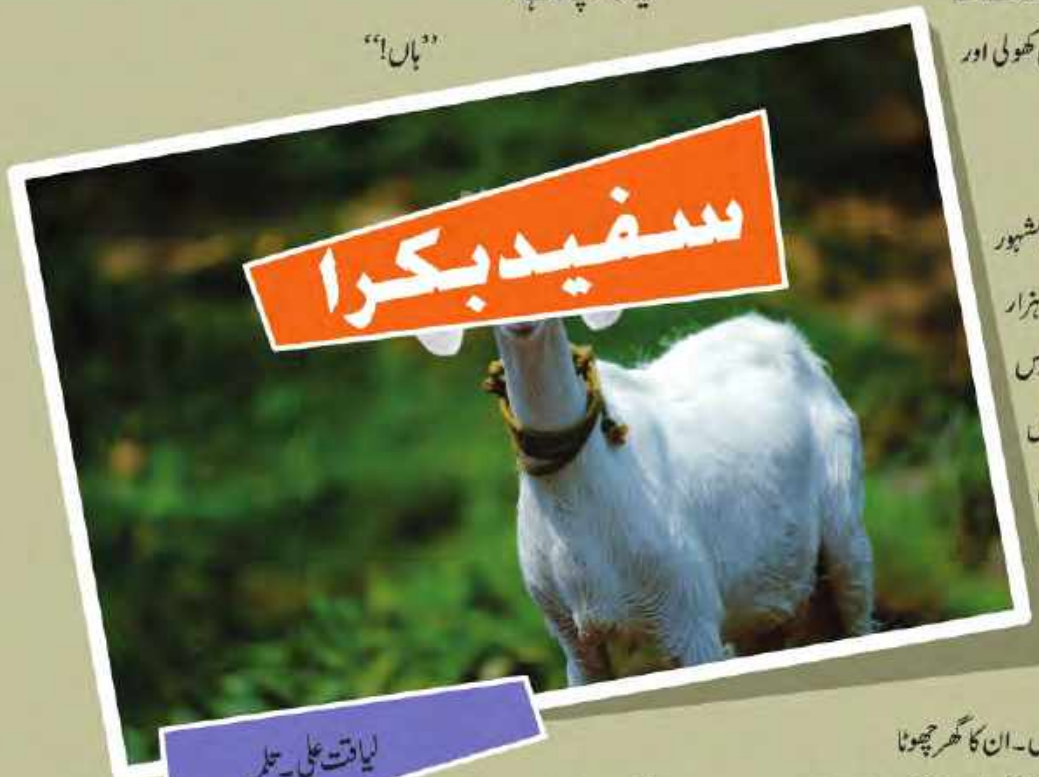

لیاقت علی۔ تلمبہ

خیر دین جیسے ہی دکان پر پہنچا بُری طرح سے چونک گیا۔ اس نے دکان کی چابی نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تھا، مگر پھر گویا اسے باہر نکالنا بھول گیا تھا۔ وہ جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ کچھ حواس بحال ہوئے تو اُس نے آنکھوں کو مسلا، پھر دیکھا، جو کچھ اس کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں دماغ اس پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا۔

''یہ کیسے ہوگیا؟ رات تک تو ایسا کچھ نہیں تھا۔ حیرت ہے!'' وہ بے اختیار بڑبڑایا۔ وہ رات دس بجے دکان بند کر کے گھر گیا تھا، اس وقت تک تو ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ اس وقت 'محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی' کی تصویر بنا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر تک حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے کے بعد آخر کار اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا، دکان کھولی اور اپنے کام میں لگ گیا۔

☆.....☆.....☆

خیر دین ایک نان بائی تھا۔ وہ شہر کی ایک مشہور دکان پر کام کرتا تھا۔ دکان کا مالک اسے دس ہزار روپے ماہ وار دیتا تھا۔ مہنگائی کے اس دور میں دس ہزار میں اس کا مہینا بہت مشکل سے نکلتا تھا۔ جس دکان پر وہ کام کرتا تھا وہ بازار کے شروع میں گلی کے نکڑ پر تھی، دوسرے نکڑ پر شیخ بشیر کا گھر تھا۔ شیخ بشیر ہر سال عید سے دو ڈھائی ماہ پہلے ہی بکرا خرید لیتے تھے، کیوں کہ عید کے موقع پر بکروں کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں۔ ان کا گھر چھوٹا سا تھا، اس لیے بکرا دن بھر باہر گلی کے نکڑ پر لگے ٹیلی فون کے کھمبے کے ساتھ ایک زنجیر سے بندھا رہتا۔ رات کو وہ اسے گھر میں باندھ دیتے۔ اس مرتبہ تو اُنھوں نے حد ہی کر دی، عید سے چار ماہ پہلے ہی بکرا خرید لائے۔ صبح جب خیر دین دکان پر پہنچا تو اُن کے دروازے کے باہر گلی میں بکرا بندھا دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ بکرا بہت خوب صورت تھا۔ سیاہ آنکھوں کے ساتھ سفید دودھیا رنگت میں وہ ایسا دکھائی دیتا تھا جیسے ابھی ابھی دودھ سے نہا کر نکلا ہو۔ خیر دین کو یہ بکرا بہت پسند آیا تھا۔ اسے بکروں کا بہت شوق تھا، مگر کم آمدنی کی وجہ سے وہ خرید نہیں سکتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا:

''کاش! وہ بھی ایسا بکرا خرید سکتا۔'' وہ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک دروازہ کھلا اور شیخ بشیر باہر نکلے۔ ان کے ہاتھ میں بکرے کے لیے چارہ تھا۔ وہ بکرے کے پاس آئے اور نہایت پیار سے اسے چارہ کھلانے لگے۔ یہ دیکھ کر خیر دین رہ نہیں سکا اور جلتا تنور چھوڑ کر اُن کے پاس آ گیا۔

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ!'' شیخ بشیر کے پاس آ کر خیر دین نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! خیر دین تم! کیسے ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟''

''اللہ کا شکر اور احسان ہے۔''

''یہ بکرا آپ کا ہے؟''

''ہاں!''

''اتنی جلدی خرید لیا، ابھی تو عید کافی دور ہے۔ کتنے میں خریدا ہے؟''

''بیس ہزار میں۔''

''بب.....بیس ہزار میں!'' قیمت سن کر خیر دین کی تو گھگی بندھ گئی۔

''ہاں ہاں، بھئی بیس ہزار میں، وہ بھی اس لیے کہ ابھی عید میں کافی دن ہیں، ورنہ ایسا بکرا بیس ہزار میں کون دیتا ہے۔ تمھیں تو پتا ہے، مہنگائی کتنی ہے!''

''ہوں ں ں ں!'' خیر دین آہ بھر کر رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

آج وہ بہت خوش تھا۔ بہت ہی خوش۔ اسی خوشی میں وہ رات بھر سو نہیں سکا تھا۔ بس صبح تک کروٹیں ہی بدلتا رہا۔ صبح ہوتے ہی وہ اٹھا اور وضو کر کے نماز کے لیے مسجد چلا گیا۔ مسجد سے آتے ہی وہ سیدھا اپنے کمرے میں گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ مڑا اور تیزی سے الماری کی طرف بڑھا۔ الماری کے پاس پہنچتے ہی اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہو گئی۔ وہ رک گیا۔ الماری کی طرف بڑھے ہاتھ واپس آ گئے۔ وہ ڈر گیا تھا۔ اسے لگا، وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے، جو الماری کھولتے ہی ٹوٹ جائے گا اور یہ خواب اتنا سہانا ہے کہ وہ اسے توڑنا نہیں چاہتا، اسی لیے وہ الماری کا دروازہ کھولتے کھولتے رک گیا تھا۔ کچھ دیر وہ اسی کیفیت میں کھڑا رہا، پھر اُسے اچانک کچھ یاد آیا۔ اس نے اپنے گال پر ہلکی سی چپت لگائی۔ اسے گال پر ہلکی سی ضرب محسوس ہوئی۔

''ہاہاہا! میں بھی کتنا پاگل ہوں!'' بڑبڑاتے ہوئے اس نے الماری کی طرف دیکھا اور پھر جلدی سے آگے بڑھ کر اُس کا دروازہ کھول دیا۔ اس کا خواب حقیقت کی شکل میں اس کے سامنے موجود تھا۔ الماری میں رکھی کپڑے کی تھیلی میں اس کے ایک دیرینہ خواب کی تعبیر بند تھی۔ اپنے خواب کی تعبیر کو اتنے نزدیک دیکھ کر ہی اس کا دل بے تکے انداز میں دھڑک اٹھا۔ کچھ دیر تک وہ پلکیں جھپکائے بغیر تھیلی کو گھورتا رہا، پھر ہاتھ بڑھا کر اُسے اٹھا لیا اور چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اس نے تھیلی کو کھولا اور اُسے چارپائی پر الٹ دیا۔ چارپائی پر چھوٹے بڑے مختلف نوٹوں کا ایک ڈھیر سا لگ گیا۔ آنکھوں میں حسین خواب سجائے وہ پیسے گننے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ سارے پیسے گن چکا تھا۔ آج اس کے پاس پورے بیس ہزار روپے تھے۔ اب وہ اپنے خواب کی تعبیر خرید سکتا تھا۔ خیر دین نے بکرا خریدنے کے لیے کمیٹی ڈال لی تھی۔ شیخ بشیر کا بکرا دیکھ کر اُس کے دل میں چھپی قربانی کی خواہش جاگ اٹھی تھی۔ اس دن اس نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ اگلے سال وہ بھی قربانی کرے گا، اس کے لیے اس کے ذہن میں کمیٹی ڈالنے کا خیال آیا تھا، کیوں کہ اتنے پیسے وہ ویسے اکٹھے نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کتنے ہی مہینے پیٹ کاٹ کاٹ کر کمیٹی ادا کی اور آج وہ بکرے کی قیمت کی صورت میں اس کے سامنے رکھی تھی۔ اس نے رقم واپس تھیلی میں ڈالی اور تھیلی کو اچھی طرح بند کر کے قمیص کی اندرونی بڑی اور لمبی جیب میں ڈال لیا، پھر کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

''اری او نیک بخت! کہاں ہو؟ ادھر آؤ، دیکھو ہمارے گھر کون آیا ہے؟'' خیر دین نے گھر میں داخل ہوتے ہی بیوی کو پکارا۔

''کیا ہوا؟ اس وقت کون آ گیا؟'' اس کی بیوی نے باورچی خانے سے پوچھا۔

''بھئی باہر آؤ گی تو پتا چلے گا نا!''

''ارے یہ کیا! یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں!'' خیر دین کی بیوی جیسے ہی باہر آئی، بُری طرح چونک گئی۔

''ارے، یہ ایک ہی دن میں تمھاری نظر کہیں چلی گئی ہے کیا؟ بھئی جو ہے وہی دیکھ رہی ہو یا.....'' خیر دین کہتے کہتے رک گیا۔

''ہاں ہاں، میرا مطلب ہے، یہ کس کا ہے؟ بہت پیارا ہے، ماشاءاللہ!''

''بھئی، اپنا ہی ہے۔''

''کک..... کیا! اپ..... اپنا ہے۔ یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہو! آپ ٹھیک تو ہو نا؟'' اس کی بیوی نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں ہاں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''تو پھر یہ کہاں سے لے آئے؟''

''کہاں سے لانا تھا! ایک دوست کے توسط سے ساتھ والے گاؤں سے لایا ہوں۔''

''اوہ! میرا مطلب تھا کہ پیسے کہاں سے آئے آپ کے پاس؟''

''اچھا! تو تم یہ سوچ کر پریشان ہو رہی ہو۔ بھئی کمیٹی ڈالی تھی میں نے اس کے لیے، پورے بیس ہزار میں خریدا ہے یہ۔''

''بیس ہزار!'' بیوی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے کہا۔

''ہاں ہاں! بیس ہزار! وہ بھی اس لیے کہ ابھی عید آنے میں کئی مہینے باقی ہیں، ورنہ اتنے پیسوں میں ایسا بکرا کہاں سے ملتا ہے۔''

بکرا بہت خوب صورت تھا۔ جس نے دیکھا وہ حیران رہ گیا کہ خیر دین نے اتنا اچھا بکرا کہاں سے لے لیا۔ ابھی عید میں چھے ماہ باقی تھے۔ خیر دین بکرے کی خدمت میں لگ گیا۔ وقت پَر لگا کر اُڑتا رہا اور آخر کار عید کا دن آ پہنچا۔ خیر دین بکرے کی قربانی کا سوچ جہاں خوش تھا وہیں بکرے سے جدائی کا خیال اسے اداس کر رہا تھا۔ اس بکرے کو اُس نے بہت پیار سے پالا

تھا۔عید کے روز بھی اس کی کیفیت عجیب سی تھی۔ وہ اٹھا اور مسجد میں جا کر فجر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد اس نے بکرے کو چارہ کھلایا۔ بکرا بھی آج کچھ اداس سا لگ رہا تھا۔ اس نے چارے کو دو تین دفعہ منہ مارا اور پھر ایک طرف کو ہو کر بیٹھ گیا۔ خیر دین کچھ دیر پیار سے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرتا رہا، پھر عید کی نماز کی تیاری کے لیے اٹھ گیا۔ آٹھ بجے نماز پڑھ کر آیا تو قصائی بھی آ چکا تھا۔ اس نے جلدی سے کپڑے بدلے اور قصائی کے ساتھ بکرا ذبح کرانے بیٹھ گیا۔ جب سارا گوشت بن گیا تو خیر دین نے گوشت کے حصے بنانے شروع کر دیے۔ قصائی کے جانے کے بعد اُس کی بیوی باہر آئی تو وہاں کا منظر دیکھ کر حیران گئی۔ خیر دین وہ اس کے پاس گئی اور بولی:

''یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔'' خیر دین نے بیوی کی آواز پر سر اُٹھا کر دیکھا اور بولا:

''ظاہری بات ہے، گوشت ہے تو گوشت ہی دیکھ رہی ہوگی۔''

''وہ تو میں دیکھ ہی رہی ہوں، مگر میں اور بھی بہت کچھ دیکھ رہی ہوں، جو شاید آپ نہیں دیکھ رہے۔'' خیر دین نے حیرانی سے بیوی کی طرف دیکھا، مگر کچھ سمجھ نہیں سکا۔

''میں پوچھتی ہوں، یہ سب کیا ہے؟'' اس نے گوشت سے بھرے شاپروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''گوشت ہے بھئی، یہ کلیجی ہے۔'' خیر دین نے پہلے شاپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، پھر بولا:

''آج تم مجھے تو کلیجی بنا کر کھلانا اور یہ چانپیں ہیں۔ اف! کیا بتاؤں، زندگی میں بس ایک ہی بار چانپیں کھائی تھیں ایک دوست سے، پھر ایسا موقع نہیں ملا۔ اور یہ ران ہے، اس دفعہ ران روسٹ کروا کر کھائیں گے اور یہ قیمے کے لیے ہے۔ تمھیں تو پتا ہی ہے کہ مجھے کبابوں کا کتنا شوق ہے، وہ بھی بکرے کے قیمے کے کبابوں کا۔'' خیر دین نے ایک ایک شاپر کے بارے میں چٹخارے لے لے کر بیوی کو تفصیل سے بتایا۔

''اچھا، لیکن بانٹیں گے کیا؟'' بیوی نے سوال کیا۔

''کیا مطلب؟'' خیر دین نے حیرانی سے بیوی کو دیکھا، جیسے اس نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو۔

''میرا مطلب ہے، اچھا اچھا سارا گوشت تو آپ نے اپنے لیے رکھ لیا، بانٹیں گے کون سا؟''

''میں نے بکرا کوئی بانٹنے کے لیے نہیں لیا۔ ہاں، اگر کچھ گوشت بچ گیا تو تھوڑا تھوڑا اِدھر اُدھر دے دیں گے، ورنہ نہیں، ہمیں کون سا کوئی گوشت دیتا تھا۔''

''ارے اگر کھانے کے لیے ہی لینا تھا تو دو چار ہزار کا گوشت بازار سے لے لیا ہوتا۔ بیس ہزار لگا کر قربانی کرنے کا کیا فائدہ؟ ہونہہ!'' بیوی کو تو خیر دین کا جواب سن کر پتنگے ہی لگ گئے۔

''ارے بیگم! تم تو بلاوجہ ناراض ہو رہی ہو۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، اتنی مہنگائی ہے اور پھر ہمیں کون سا بکرے کا گوشت روز روز ملتا ہے۔'' خیر دین نے پیار سے بیوی کو سمجھایا۔

''آپ نے تو اپنا پیٹ کاٹ کر قربانی کے شوق میں بکرا لیا تھا، اب شیطان آپ کو ورغلا رہا ہے، تاکہ آپ کی اتنی محنت سے کی گئی قربانی ضائع ہو جائے، کیوں کہ صرف گوشت حاصل کرنے کی نیت سے قربانی نہیں ہوا کرتی، پھر یہ بھی سنت ہے کہ گوشت کے تین حصے کیے جائیں۔ یہ سنت عمل ہے۔ چلیں، یہ سب ٹھیک کرتے ہیں۔ گوشت تو ہمیں پھر بھی کھانے کو مل ہی جائے گا۔'' خیر دین کی بیوی اسے آرام سے سمجھاتے ہوئے بولی، پھر دونوں نے تمام گوشت کو ملا کر اُس کے برابر تین حصے کیے۔ الگ رکھی ران کو بھی کاٹ کر اس گوشت میں ملا دیا، پھر ایک حصہ علاحدہ کر لیا اور باقی حصے الگ رکھ دیے۔ شام تک وہ سنت طریقے کے مطابق دونوں حصے غریبوں اور رشتے داروں میں تقسیم کر چکے تھے۔ خیر دین مغرب کی نماز پڑھ کر آیا تو گھر بھر میں گوشت پلاؤ کی اشتہا انگیز خوش بو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ چارپائی پر بیٹھا ہی تھا کہ اس کی بیوی اس کے لیے گرما گرم پلاؤ لے آئی۔ پلاؤ کھاتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ خدا سب کو ایسی نیک اور باعمل بیویاں عطا کرے۔ آمین۔

یہ سب سوچتے ہوئے وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

شکر پارے

قارئین

☆ڈاکٹرنی ایک نے باتونی مریضہ کا معاینہ
کرنے کے بعد کہا:
''آپ کو کوئی بیماری نہیں ہے، بس آرام
کی ضرورت ہے۔''
مریضہ: ''لیکن میری زبان تو آپ نے دیکھی نہیں۔''
ڈاکٹرنی: ''اسی کو تو آرام کی ضرورت ہے۔''

(محمد احمد اسلم۔ کراچی)

☆پولیس نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے پوچھا گیا: ''کون ہے؟''
جواب ملا: ''باہر پولیس ہے، دروازہ کھولیں، آپ سے بات کرنی ہے۔
آپ کتنے افراد ہیں؟'' اندر سے پوچھا گیا:
پولیس نے بتایا: ''تین۔''
''آپ لوگ آپس میں بات کرلیں۔'' اندر سے جواب آیا۔

☆حامد: ''تمھاری لکھائی روز بروز خراب ہوتی جارہی ہے۔''
محمود: لیکن میرے ابو تو کہتے ہیں، میری لکھائی روز بروز اچھی ہورہی ہے۔''
حامد: ''کیا وہ ٹیچر ہیں؟''
''نہیں، وہ ڈاکٹر ہیں۔'' محمود نے جواب دیا۔

☆ایک شخص (بس کے سفر کے دوران میں ایک لڑکے سے):
''تم تین بار میری جیب میں ہاتھ ڈال چکے ہو۔''
لڑکا: ''آپ کو پریشانی کیا ہے؟ اس جیب میں ہے ہی کیا۔''

☆ایک صاحب کو دعوت میں بے تحاشا کھاتے دیکھ کر ساتھ بیٹھے شخص نے کہا:
''کھانے کے درمیان پانی بھی پی لینا چاہیے۔'' اس نے جواب دیا:
''ابھی درمیان آیا کب ہے؟''

(اقرا محمد آفاق۔ سندھ پبلک گرامر اسکول، کراچی)

☆ایک صاحب (دوسرے سے):
''آیئے آیئے، تشریف لایئے۔''
دوسرے صاحب: ''مگر یہ مرغا کاٹتا تو نہیں۔''
پہلے صاحب: ''یہی تو آزمانا چاہتا ہوں، یہ مرغا میں نے آج ہی خریدا ہے۔''

☆بھائی (بہن سے): ''دنیا میں شرح اموات کیا ہے؟''
بہن: ''سو فی صد!''
بھائی: ''وہ کیسے؟''
بہن: ''اس لیے کہ جو بھی پیدا ہوتا ہے ایک دن
ضرور مرتا ہے۔''

(محمد عمر فاروق۔ کراچی)

☆ایک آدمی اخبار میں اشتہار پڑھ کر ہنسنے لگا۔ پاس بیٹھے آدمی نے وجہ پوچھی تو
وہ بولا:
''دیکھیں، اخبار میں اشتہار ہے 'حسین بنیے'، بھلا 'بنیے' بھی حسین ہوتے
ہیں!''

☆بازار میں ایک کپڑے کی بڑی دکان پر یہ بورڈ لگا ہوا تھا:
''اصلی ولایتی کپڑا خریدنے کے لیے کسی اور جگہ جا کر دھوکا نہ کھائیں،
بل کہ سیدھے ہمارے پاس آئیں۔''

(علشبہ، عفیفہ، عروش۔ ٹنڈو آدم)

☆کنجوس وکیل (اپنے بیٹے سے):
''بیٹا! تم بڑے ہو کر میری طرح وکیل بننا۔''
بیٹا (پریشان ہوتے ہوئے):
''وہ کیوں؟''
وکیل: ''تاکہ میرا کالا کوٹ تمھارے کام آسکے۔''

(اِرش۔ حاصل پور)

☆تین پاگل دریا کے کنارے بیٹھے تھے کہ ایک بولا:
''یار! اگر دریا میں آگ لگ جائے تو بے چاری مچھلیاں کہاں جائیں گی؟''
دوسرا پاگل بولا:
''درختوں پر چڑھ جائیں گی۔'' تیسرا پاگل بولا:
''یہ کوئی گائے بھینس تھوڑی ہیں جو درختوں پر چڑھ جائیں گی۔''

(محمد اسماعیل۔ جامعہ مفتاح العلوم، سرگودھا)

☆آدمی (ٹھیلے والے سے): ''سیب کیسے دے رہے ہو؟''
ٹھیلے والا: ''تھیلی میں۔''

(ماریہ خان بنت غریب خان۔ ؟)

مومن اسکواڈ سیریز ۴

عادل بیگ، احسان باری اور امام صاحب شہر کی ایک معروف شاہ راہ سے گزر رہے تھے۔ گزشتہ چند دنوں سے گرمی زوروں پر تھی، اسی وجہ سے شاہ راہ بھی قدرے سنسان تھی۔ ایک جگہ مشروب کی دکان دیکھ کر احسان باری نے اپنی گاڑی روک دی۔ جیسے ہی وہ تینوں باہر نکلے، گرم ہواؤں نے ان کا استقبال کیا۔ گرمی کے تھپیڑے ان کے چہروں اور کانوں کو چھونے لگے۔ عادل بیگ نے فوراً ہی اس بے پناہ گرمی سے اللہ کی پناہ مانگی۔

پھلوں کا تازہ رس پی کر وہ دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گئے تھے اور چند لمحوں بعد اُن کی گاڑی پھر سے رواں دواں تھی۔ چند منٹ بعد ہی موسم قدرے خوش گوار ہو گیا۔ سورج نے بادلوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنا شروع کر دی۔ کبھی دھوپ ہونے لگتی تو کبھی چھاؤں۔ اس وقت وہ شہر کے ایک بڑے ہسپتال کے پاس پہنچے ہی تھے کہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں نے ان کا استقبال کیا۔

''یا اللہ! تیرا شکر ہے۔'' امام صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سیاہ گھٹائیں چھانے لگیں۔ سورج نے کالے بادلوں کی چادر اوڑھ لی تھی، ہوا میں قدرے ٹھنڈک کا احساس پیدا ہو چکا تھا۔

''لگتا ہے بارش ہونے والی ہے۔'' احسان باری نے آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے ہوئے کہا۔

دفعتہً ٹپ ٹپ کرتی بوندیں گرنے لگیں اور ذرا سی دیر میں موسلا دھار بارش برسنے لگی۔

☆......☆......☆

''رکیے، رکیے!'' عادل بیگ نے اچانک کہا تو احسان باری نے فوراً بریک لگائے اور گاڑی کو ایک طرف روک دیا۔ اب وہ حیران ہو کر عادل بیگ کو دیکھ رہے تھے۔

''میں آپ دونوں کو ایک منظر دکھانا چاہتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ گاڑی سے نیچے اتر آئے۔ ان کی دیکھا دیکھی امام صاحب اور احسان باری بھی گاڑی سے نیچے اتر آئے۔ عادل بیگ دائیں طرف بنی ایک گلی میں مڑ گئے تھے۔ ان کے قدم ایک فٹ پاتھ کے پاس پہنچ کر رُک گئے، جہاں درجنوں افراد موجود تھے۔

بارش کی نرم نرم بوندوں سے مٹی مہک اٹھی تھی۔ فٹ پاتھ پر موجود لوگ پریشانی کے عالم میں چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ اگلا منظر حیران کر دینے

غلام محی الدین ترک۔ کراچی

سرخ رو

والا تھا۔ وہاں کچھ افراد لیٹے ہوئے تھے، جنھیں ڈرپ لگ رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مریض تھے۔

''ان مریضوں کو فٹ پاتھ پر ڈرپ کیوں لگ رہی ہے؟'' امام صاحب نے حیران ہوکر پوچھا۔

''ہسپتال میں مریضوں کے داخلے کی گنجائش نہیں ہے۔'' مریض کے پاس بیٹھا ہوا ایک شخص بے بسی سے بولا۔

''تو آپ لوگ اپنے گھر کیوں نہیں چلے جاتے! بارش رک جائے، تب آجایئے گا۔'' امام صاحب نے انھیں مشورہ دیا۔

''جناب! ہم دوسرے شہر سے آئے ہیں، گھر کیسے جائیں؟ نہ ہی ہمارے پاس اتنے پیسے ہیں کہ ہم ہوٹل میں رہ سکیں۔ صرف ہم ہی نہیں، یہاں نزدیکی ساری گلیاں ان مریضوں اور اُن کے تیماردروں سے بھری ہوئی۔'' اس شخص کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اس کی باتیں سن کر تینوں فکرمند ہوگئے۔

''اس بارش میں یہ بے چارے کہاں رہیں گے؟'' عادل بیگ کی بات سن کر احسان باری کار کی طرف مڑ گئے۔ جلد ہی وہ پلاسٹک کے بڑے بڑے ٹکڑے اور رسیاں لیے نمودار ہوئے۔

''پلاسٹک کے یہ ٹکڑے ان کے سروں پر رہیں گے اور کسی نہ کسی طرح ان کے کام آہی جائیں گے، اگرچہ یہ ان کے لیے ناکافی ہیں۔ ایسے اور کئی پلاسٹک اور رسیاں میری گاڑی میں ہیں۔'' احسان باری کی بات سن کر امام صاحب بھی کار کی طرف مڑ گئے تھے۔

امام صاحب نے واپس آکر مناسب جگہ دیکھ کر پلاسٹک پھیلایا اور اُسے رسی کی مدد سے باندھنے لگے۔ احسان باری اور عادل بیگ بھی ان کی مدد کررہے تھے۔ مریضوں کے تیماردار بھی ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔ احسان باری بہت تیزی سے رسیاں باندھ رہے تھے، اس بات نے امام صاحب کو حیران کردیا۔ وہ بول اٹھے:

''آپ کو اتنی تیزی سے کام کرتے دیکھ کر مجھے حیرانی ہورہی ہے!''

''ان ہاتھوں نے بچپن سے مزدوری کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محنت کا صلہ یہ دیا ہے کہ اب الحمدللہ اپنی کمپنی کا مالک بن گیا ہوں۔'' احسان باری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اس کام سے فارغ ہوئے تو شام ہوچکی تھی۔ بادل چھٹ چکے تھے اور بارش بھی تھم چکی تھی۔

احسان باری کے گھر پہنچ کر وہ ان لوگوں کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ اتنے میں احسان باری کے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف کی بات سن کر اُن کے چہرے پر خوشی پھیل گئی تھی۔ فون بند کرتے ہی انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

''لگتا ہے، کوئی خوشی کی خبر ہے۔'' امام صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

''ہاں، بات ہی کچھ ایسی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر سرخ رُو ہونے کا موقع عطا فرمایا ہے۔'' احسان باری نے کہا تو دونوں حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔

''اپنی کمپنی کا کام بڑھانے کے لیے میں کئی ماہ سے ایک بڑا گودام لینے کی کوشش کررہا تھا، مگر معاملات طے نہیں ہو پارہے تھے۔ ابھی میرے سیکرٹری نے اطلاع دی ہے کہ تمام معاملات طے پاگئے ہیں۔'' احسان باری کے چہرے پر خوشی رقصاں تھی۔

''واہ بھئی! یہ تو بہت اچھی بات ہے! اللہ تعالیٰ آپ کے کاروبار میں مزید ترقی عطا فرمائے۔'' امام صاحب نے بے اختیار انھیں دعا دی۔

''ہاں، مگر اب وہ جگہ گودام کے لیے استعمال نہیں ہوگی۔'' احسان باری نے کہا تو دونوں چونک اٹھے اور اُن کی طرف دیکھنے لگے۔

''ہاں، اب اس گودام میں فٹ پاتھ پر رہنے والے مریض اور اُن کے تیماردار رہیں گے۔ برسات ہی نہیں، گرمی بھی زوروں پر ہے، اس طرح ان کے لیے آسانی ہوجائے گی۔ میں ڈاکٹروں کا بھی بندوبست کررہا ہوں۔ دعا کریں، جلد از جلد یہ کام ہوجائے۔'' احسان باری نے کہا تو دونوں رشک بھری نظروں سے انھیں دیکھنے لگے۔ احسان باری انھیں کسی اور ہی دنیا کی مخلوق نظر آرہے تھے، جنھوں نے ایک بار پھر اپنے مومن ہونے کا حق ادا کردیا تھا۔

غلطی کہانی ۳ کے درست جوابات

کہانی میں دانستہ طور پر درج ذیل غلطیاں کی گئی ہیں:۔

1. کہانی میں ایک جگہ ڈرائیور کی جگہ مکینک لکھا گیا ہے۔
2. ریلوے لائن کلیئر ہونے کی صورت میں لال نہیں ہری جھنڈی لہرائی جاتی ہے۔
3. حسن آٹھویں جماعت کا نہیں، بل کہ چھٹی جماعت کا طالب علم تھا۔

جھوٹوں کے جھوٹے

۱۔ مسیلمہ کذاب

حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور

''رحال! مجھے یہ تو بتاؤ، آخر محمد (ﷺ) نے ایسا کیا طریقہ اختیار کیا تھا کہ جسے پورا کرنے کی وجہ سے ان کے کنویں اس قدر پانی سے بھر گئے کہ ابل ہی پڑے؟'' مسیلمہ کذاب نے رحال سے حضرت محمد ﷺ کے طریقے کی پوری تفصیل پوچھ لی۔

رحال نے مسیلمہ کذاب کو جواب دیا:

''آپ (ﷺ) نے پانی کا ایک ڈول ان سے منگوایا، پھر آپ (ﷺ) نے اہل یزمان کے لیے شادابی کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد آپ (ﷺ) نے اس ڈول میں سے تھوڑا سا پانی لے کر غرارہ کیا اور اُس پانی سے غرارہ کرنے کے بعد اُسی ڈول میں واپس کلی کردی۔ اس کے بعد آپ (ﷺ) نے اہل یزمان سے فرمایا:

'تم لوگ یہ پانی لے جاؤ اور اِس پانی میں سے کچھ پانی اپنے کنوؤں میں ڈال دو اور کچھ پانی اپنے باغات میں ڈال دو۔'

اہل یزمان نے آپ (ﷺ) کے فرمان کے مطابق ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد آپ (ﷺ) کی دعا اور اس پانی کی برکت سے ایسا ہی نتیجہ نکلا جیسا ابھی کچھ دیر پہلے میں نے تمھیں بتایا۔''

مسیلمہ کذاب نے بھی رحال کی بات سن کر اُس عورت کو طلب کیا اور اُس سے کہا:

''ایک پانی سے بھرا ہوا ڈول لے کر آؤ۔''

''اچھی بات ہے۔'' وہ عورت پانی سے بھرا ہوا ڈول لے کر آ گئی۔ اس کے ساتھ اس کے قبیلے کے چند اور لوگ بھی موجود تھے۔

مسیلمہ کذاب نے اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے سب سے پہلے تو اُن کے لیے دعا مانگی، پھر اُس ڈول میں سے پانی لے کر غرارہ کیا اور اُس غرارہ کیے ہوئے پانی کی کلی اسی ڈول میں کردی۔ اس کے بعد اُس نے وہ ڈول ان لوگوں کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

''اب تم لوگ یہ پانی لے جاؤ اور اِس پانی میں سے کچھ پانی اپنے کنوؤں میں اور کچھ پانی اپنے باغات میں ڈال دو۔''

''جی حضور! ہم ایسا ہی کریں گے۔'' ان لوگوں نے بڑی عقیدت کے ساتھ اس پانی کو لیا اور اپنے علاقے کی طرف چل دیے۔ ان لوگوں نے مسیلمہ کذاب کی ہدایات کی روشنی میں ایسا ہی کیا، یعنی کچھ پانی اپنے کنوؤں میں اور کچھ پانی اپنے باغات میں ڈال دیا۔

مگر کچھ ہی عرصے میں کہ کنوؤں میں پانی مزید کم ہوگیا اور اُن کے باغات بھی مزید خشک ہوگئے، مگر جب وہ لوگ اس کی شکایت لے کر مسیلمہ کذاب کے پاس آئے تو وہ واصل جہنم ہو چکا تھا۔ وہ لوگ یہ خبر سن کر واپس ہوئے اور ایک طویل عرصے تک مسیلمہ کذاب کی جان کو روتے رہے اور اُسے بددعائیں دیتے رہے۔

مگر یہ سب کچھ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جھوٹے نبی کے جھوٹے دعوے کو دنیا پر جھوٹا ثابت کرنے کے لیے اور اُن لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لیے کیا تھا۔

اسی طرح ایک شخص مسیلمہ کذاب کے پاس آیا اور اُس نے کہا:

''اے نبی! میری زمین شور زدہ ہوگئی ہے۔ براہِ کرم آپ اس کے لیے دعا کیجیے، جس طرح محمد ﷺ نے سلمٰی کی زمین کے لیے دعا کی تھی۔''

مسیلمہ کذاب نے یہ فریاد سن کر اپنے ازلی ساتھی رحال کو قریب بلایا اور کہا:

''مجھے بتاؤ کہ یہ شخص کس واقعے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔''

رحال نے جواب دیا: ''اے مسیلمہ! ایک مرتبہ سلمٰی نے آپ

ﷺ نے درخواست کی کہ ''میری زمین شور زدہ ہوگئی ہے۔ آپ میرے لیے دعا فرمائیں۔''

آپ ﷺ نے پانی کے ایک ڈول میں کلی کر کے اسے واپس کر دیا اور اُس نے وہ پانی اپنے کنویں میں ڈال دیا، پھر اس کنویں کے پانی سے اپنی زمین کو سیراب کیا تو وہ ایک مرتبہ پھر سے سرسبز و شاداب ہوگئی اور کاشت کے قابل ہوگئی۔''

رحال کی بات سن کر مسیلمہ کذاب نے اسوۂ رسول پر عمل کرتے ہوئے اپنی کلی کا پانی اس شخص کو دیا۔ اس شخص نے وہ پانی اپنے کنویں میں ڈالا۔ اس سے اس کا کنواں بھی بالکل خشک ہوگیا اور زمین بھی پہلے سے زیادہ شور زدہ ہوگئی۔

اسی طرح ایک روز ایک عورت مسیلمہ کذاب کے پاس آئی اور کہنے لگی: ''حضور! آپ میرے ساتھ میرے باغ میں چلیے اور میرے باغ کے لیے دعا فرمایئے، تاکہ اس میں پھل زیادہ آئیں۔''

مسیلمہ کذاب اس کی بات سن کر راضی ہوگیا۔ اس نے باغ میں جا کر دعا کی۔ اس کی دعا نے اللہ کے حکم سے اثر دکھایا اور کچھ ہی عرصے میں اس عورت کے باغ کے تمام پھلوں کے خوشے جھڑ گئے۔

مگر یہ لوگ اب کسی سے شکایت نہیں کر سکتے تھے، کیوں کہ اس قدر بُرے بُرے معجزے دیکھ کر انھیں یقین ہوگیا تھا کہ ان کا نبی ایک جعل ساز شخص تھا اور وہ واصل جہنم بھی ہو چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

مسیلمہ کذاب نے اپنی خود ساختہ جو شریعت ایجاد کر کے لوگوں میں پھیلائی تھی، وہ انتہائی خطرناک تھی۔ اس کی شریعت، شریعت کم اور غنڈہ گردی زیادہ تھی۔ اس نے ایسی شریعت بنائی جس کے ذریعے سے دین سے دور لوگ جلد از جلد اُس کی شریعت میں شامل ہوگئے۔ مسیلمہ نے جو شریعت بنائی تھی اسے کوئی بھی اخلاقی معاشرہ قبول نہیں کر سکتا۔ اس نے شراب کو حلال قرار دے دیا۔ اس طرح اسے کے پیروکار کھل کر شراب پینے اور پلانے لگے، کیوں کہ یہ ان کے نبی کا حکم تھا۔

مسیلمہ کذاب نے نماز کی سمت ختم کروادی۔ یہی نہیں، بل کہ سمت متعین کر کے نماز پڑھنے کو بدعت بھی کہا۔ اس نے کہا کہ قبلے کا رُخ کیے بغیر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اس نے کہا کہ صرف فرض پڑھو، سنتیں بھی بدعت ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے فجر اور عشا کی نماز بھی ختم کروادی۔

مسیلمہ کذاب نے روزوں کو بھی ختم کروادیا۔ اس کا کہنا تھا کہ روزہ اگر رکھنا ہے تو دن کے بجائے رات کا روزہ رکھو، یعنی فجر سے مغرب تک کے بجائے، مغرب سے فجر تک کا روزہ رکھو۔

ان کے علاوہ بھی اس نے بہت سی باتیں کیں جو بالکل غلط تھیں۔

اس نے قرآن کی سورتوں کی نقل بنانے کی کوشش بھی کی۔

مسیلمہ کذاب کو اُس وقت سب سے زیادہ حمایت حاصل ہوئی جب نبوت کی ایک جھوٹی دعوے دار سجاح بنت حارث نے اس کے ساتھ الحاق کر لیا۔ (سجاح بنت حارث کا ذکر ہم علاحدہ کریں گے۔)

مسیلمہ کذاب کو اُس وقت اُس کی سوچ سے بھی زیادہ کام یابی حاصل ہو رہی تھی۔ ایسے میں اس نے خبر سنی کہ حضور ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے ہیں۔

اب تو مسیلمہ کذاب کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ وہ مدینہ منورہ پر حملے کے خواب دیکھنے لگا۔ اس نے اپنے دیرینہ ساتھی رحال کو حکم دیا کہ ''جس قدر جلد ممکن ہو ایک فوج تیار کی جائے، تاکہ مدینہ منورہ پر قبضہ کیا جا سکے۔''

اس نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایک فوجی لشکر لے کر مدینہ منورہ سے باہر جا چکے ہیں۔

دراصل حضور ﷺ نے اپنے آخری ایام میں مدینہ منورہ سے ایک لشکر حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں روانہ فرمایا تھا۔ یہ لشکر ابھی مدینہ منورہ کے قریب ہی تھا کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی، اس لیے یہ لشکر واپس آ گیا، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ رسول بنے تو سب سے پہلے آپ ﷺ کی خواہش کے مطابق حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کو روانہ فرمایا۔

لہٰذا مسیلمہ کذاب کا خیال تھا کہ مدینہ منورہ میں بہت کم لوگ موجود ہوں گے، اس لیے مدینہ منورہ پر آسانی سے قبضہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان حالات اور مسیلمہ کذاب کی جنگی تیاریوں کی خبر پہنچ گئی، مگر انھیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مسیلمہ کذاب کی تیاریاں کس قدر ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد گیارہ لشکر ترتیب دے کر مختلف علاقوں میں روانہ کیے تھے۔ ان میں سے ایک لشکر حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کو مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا اور ساتھ ہی تاکید فرمائی: ''جا کر فوراً حملہ مت کرنا۔''

اس کے ساتھ ہی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احتیاط یہ فرمائی کہ حضرت

شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں ایک اور لشکر اُن کی مدد کے لیے روانہ فرمادیا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شوقِ جہاد میں حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کا انتظار نہیں فرمایا اور جاتے ہی حملہ کردیا۔ مسیلمہ کذاب کے ٹڈی دل لشکر کے سامنے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر بے بس نظر آیا اور شکست کھا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کی خبر ملی تو اُنھوں نے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراضی کا اظہار فرمایا اور اُنھیں ایک دوسرے محاذ پر جانے کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہدایت دی: ''میرے دوسرے حکم تک وہیں موجود رہو۔''

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھیجا: ''یمامہ پہنچ کر مسیلمہ کذاب کا مقابلہ کرو۔''

اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوسرا حکم بھیجا:

''جب تمھارے پاس خالد بن ولید پہنچ جائیں تو اُن کے ساتھ مل کر مقابلہ کرنا۔''

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جیسے ہی حکم ملا وہ فوراً یمامہ کی طرف بڑھے اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر سے جا ملے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس لشکر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے نامی گرامی مہاجرین اور انصار کو شامل فرمایا تھا، چناں چہ مہاجرین کے دستے کے سردار حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، جب کہ انصار کا دستہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی لشکر کے پیچھے حضرت حضرت سلیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ایک دستہ دے کر روانہ فرمایا تھا۔ سلیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لشکر کے پیچھے روانہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ کوئی بھی اسلامی لشکر کے پیچھے سے حملہ آور نہ ہوجائے۔

مسیلمہ کذاب اس وقت یمامہ کے علاقے عقرباء میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں مسیلمہ کذاب کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار سے ساٹھ ہزار تک لکھی ہے۔

صبح ہوئی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لشکر کو مقابلے کے لیے ترتیب دینے لگے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لشکر کے میمنہ (لشکر کے دائیں جانب) پر حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا، لشکر کے میسرہ (بائیں جانب) حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا، جب کہ خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر کے درمیان کے حصے میں تھے۔

دوسری جانب مسیلمہ کذاب اپنے لشکر کو ترتیب دے رہا تھا۔

آخر دونوں لشکر ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ اسلامی لشکر کا جھنڈا حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ قرآن کے حافظ تھے۔ جھنڈا لیے سب سے آگے بڑھے تو کسی نے کہا: ''اے سالم! اگر آپ شہید ہوگئے تو قرآن کا ایک حافظ جاتا رہے گا۔''

حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر جواب دیا: ''اگر میں ایسی باتوں کی فکر کروں گا تو مجھ سے بُرا حافظِ قرآن کون ہوگا!''

سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب قرآن کی اُس آیت کی روشنی میں تھا جس کا مفہوم ہے:

''ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

(سورۃ الحجر، آیت:۹)

یعنی ان کا مقصد تھا کہ ایک حافظ کی شہادت سے کچھ خاص فرق نہیں پڑے گا۔

خیر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ مسیلمہ کذاب کے لشکر سے اس کا سب سے بہترین ساتھی نہار رحال نکلا۔ اسی نے یمامہ کے لوگوں میں یہ جھوٹی خبر پھیلائی تھی کہ (نعوذ باللہ) مسیلمہ کذاب کو نبی ﷺ نے اپنی نبوت میں شریک کرلیا ہے۔

نہار رحال بن عنفوہ نے اپنی صفوں سے باہر نکل کر للکار کر اعلان کیا:

''کون میرے مقابلے پر آئے گا۔''

اس بدبخت کی للکار سن کر حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے۔ یہ اسلامی لشکر کے دائیں بازو کے امیر تھے۔ انھوں نے آگے بڑھ کر اُس سے کہا: ''اے رحال! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، واللہ! تم نے سچا مذہب چھوڑ دیا ہے۔ اب میں تمھیں جس بات کی دعوت دینا چاہتا ہوں اس میں تمھارے لیے دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ تم توبہ کرلو اور دوبارہ اس (سچے) مذہب (اسلام) کو اختیار کرلو، اس سے تم فلاح پاؤ گے۔''

رحال نے حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور تلوار سے حملہ کردیا۔ حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے اس کا وار روکا خود اس زور سے وار کیا کہ رحال واصل جہنم ہو گیا۔ ایسی شان دار اور زبردست ابتدا پر مسلمانوں نے پُرجوش ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

پھر دونوں لشکر پوری قوت سے آپس میں ٹکرائے۔ زبردست جنگ شروع ہو گئی۔ مسیلمہ کذاب کا ایک ایک آدمی اس پر اپنی جان نچھاور کر رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتے تھے کہ اگر آج مسیلمہ کذاب کو شکست ہو گئی تو مسلمان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان پر مسلط ہو جائیں گے اور اُن کی شریعت کو تہس نہس کر دیں گے جو کہ شریعت کے بجائے عیاشی کرنے کی اجازت تھی۔

مسلمانوں کو ایسی ہول ناک ترین جنگ لڑنے کا پہلی بار اتفاق ہوا تھا۔ چالیس ہزار مرتدوں کا دباؤ مسلمانوں پر پڑا تو اُن کے قدم اکھڑنے لگے۔

مؤرخین نے لکھا ہے: ''اسلام کی یہ سب سے پہلی شدید ترین لڑائی تھی اور اس میں مرتدوں نے حیرت انگیز حد تک بہادری دکھائی تھی۔''

مسلمانوں کو پیچھے ہٹتے دیکھ کر مرتدوں کے حوصلے مزید بڑھ گئے، لیکن جلد ہی مسلمانوں نے خود پر قابو پا لیا۔

ایسے نازک وقت میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زور سے پکار کر مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''اے مسلمانو! تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ (تم اپنے قدم پیچھے کیوں ہٹا رہے ہو؟)''

اس کے بعد حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لڑتے ہوئے شہادت کے رتبے پر فائز ہو گئے، مگر ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹایا۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی للکار سن کر حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ زور سے بولے: ''میں تو ہرگز لوٹ کر نہیں جاؤں گا۔''

اس کے بعد حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس جوش و جذبے سے لڑے کہ شہید ہو گئے۔

اسی وقت حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پکارے: ''اے مسلمانو! اے قرآن کے ماننے والو! کہاں ہو؟''

اتنے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دستے کے ساتھ پلٹ کر دشمنوں پر زوردار حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ کچھ دیر تک دشمن پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ آخر سنبھل گئے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔

اب پھر گھمسان کی جنگ ہونے لگی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی لشکر کو حکم دیا: ''ہر دستہ الگ الگ ہو کر لڑے۔''

اس سے پہلے سب ایک ساتھ مل کر لڑ رہے تھے۔ یہ حکم ملنے پر تما دستے الگ الگ ہو کر لڑنے لگے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کا جائزہ لیا تو اُنھیں معلوم ہوا کہ حضرت ثابت بن قیس، حضرت زید بن خطاب، حضرت ابو حذیفہ اور سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شہید ہو گئے ہیں، جب کہ مسیلمہ کذاب اپنی جگہ ڈٹا کھڑا تھا۔

مسیلمہ کذاب کے محافظ اس کے چاروں طرف سے اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی جنگی مہارت سے اندازہ لگا لیا کہ جب تک مسیلمہ کذاب اور اُس کا حفاظتی دستہ محفوظ ہے، اس وقت تک انھیں شکست نہیں دی جا سکتی۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک زوردار نعرہ لگایا اور دستے پر ٹوٹ پڑے۔ ان کی تلوار بجلی کی طرح چل رہی تھی، جو بھی تلوار کی زد میں آیا ٹکڑے ہو گیا۔

مسیلمہ کذاب نے جب یہ صورت حال دیکھی تو خود مقابلے کے لیے آگے بڑھا، لیکن پھر خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ اب اس کی حالت یہ تھی کہ کبھی چند قدم آگے بڑھاتا اور کبھی پیچھے ہٹ جاتا۔ مسیلمہ کذاب کا یہ عمل دیکھ کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دستے کو پکارا: ''بہادرو! ان پر ٹوٹ پڑو، یہ بزدل اب بھاگنے والے ہیں۔''

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ سن کر مسیلمہ کذاب واقعی بھاگنے لگا۔ اس کے دستے میں سے کسی نے کہا: ''یہ کیا مسیلمہ! تُو تو بھاگ رہا ہے؟ تُو تو ہم سے فتح اور کامرانی کے وعدے کرتا تھا۔ وہ فتح کہاں ہے؟''

یہ سن کر بھی مسیلمہ کذاب نہیں رکا۔ وہ خود تو بھاگ رہا تھا، لیکن اپنی فوج سے کہہ رہا تھا:

''اپنے حسب نسب کے لیے لڑو۔''

.....(جاری ہے).....

سوال آدھا، جواب آدھا ❾ کے درست جوابات

❶ سورۂ تکویر۔ ❷ حضرت وہب بن عبد مناف۔ ❸ 6 شوال 3 ہجری۔ ❹ یہ کتاب بھی عظیم فلسفی اور مؤرخ ابو زید عبدالرحمن بن محمد رحمۃ اللہ علیہ ابن خلدون نے لکھی تھی۔ ❺ 17 ستمبر 1957ء۔ ❻ مجلسِ وطنی اتحادی (Federal National Council)۔ ❼ ہم اس قومی اتحاد پر تمھیں سلام کرتے ہیں! ❽ سر درد۔ ❾ پائیرو میٹر (Pirometer)۔ ❿ ستائے ہوئے کو مزید ستانا۔

۲

بچو! اس کا نام بتانا

شور مچائے

جماعت اول تک کے بچے اس پہیلی کو بوجھ کر اس کا درست جواب ارسال کریں۔ بذریعہ قرعہ اندازی درست جوابات بھیجنے والوں میں سے تین پیارے بچوں کے گھر والوں کو Sanfaz Foods کی طرف سے انعام دیا جائے گا۔ جواب ۳۱ اگست ۲۰۲۰ تک ہمیں موصول ہو جانا چاہیے۔

لال ہے چونچ اور رنگ ہرا ہے
کاجل سا آنکھوں میں بھرا ہے

پنجرے میں وہ شور مچائے
باہر آکر سب کو ستائے

پیار سے اُس کو ''مٹھو'' بولیں
ہاتھ پہ آ بیٹھے، جب کھولیں

''ٹیں ٹیں'' کر کے پاس بلائے
باتیں کر کے سب کو ہنسائے

''بچو! اُس کا نام بتانا''
''کیا کہتا ہے اُس کو زمانہ''

ریحان طاہر۔ کراچی

سوال آدھا جواب آدھا

الطاف حسین۔ کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۱، اگست تک ارسال کر دیجیے، ہم آپ کو اس کا انعام روانہ کر دیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو انعام سے نوازا جائے گا۔ کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

۱ قرآن کی سورۂ آلِ عمران میں 200 آیات ہیں..... بتایئے، قرآن مجید کی وہ کون سی سورت ہے جو 83 آیات پر مشتمل ہے؟

۲ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا اسم مبارک حضرت ہاجرہ تھا..... بتایئے، حضرت اسحٰق علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا اسم مبارک کیا تھا؟

۳ حضور نبی کریم ﷺ کے دین (اسلام) پر سب سے پہلے آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایمان لائی تھیں..... بتایئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین (دینِ ابراہیمی) پر سب سے پہلے کون ایمان لایا تھا؟

۴ ماہِ رمضان کے روزے 2 ہجری میں فرض ہوئے تھے..... بتایئے، زکوٰۃ کا حکم کب نازل ہوا تھا؟

۵ خاندانِ غلاماں کے 7 حکم رانوں نے ہندوستان پر حکومت کی تھی۔ (اس خاندان کی حکومت 1206ء سے 1290ء تک قائم رہی)۔ اسی طرح ایک اور مسلمان خاندان کے بھی 7 حکم رانوں نے ہندوستان پر حکومت کی تھی..... بتایئے، وہ خاندان تاریخ میں کس نام سے مشہور ہے؟

۶ متحدہ عرب امارات 2 دسمبر 1971ء کو برطانیہ کے تسلط سے آزاد ہوا تھا..... بتایئے، کویت نے 19 جون 1961ء کو کس ملک سے آزادی حاصل کی تھی؟

۷ اسلامی ملک آذربائی جان کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں ''آذری'' قوم کے لوگ آباد ہیں..... بتایئے، ازبکستان کے نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

۸ اقوامِ متحدہ کے رکن ممالک ہر سال 22 فروری کو ''اسکاؤٹنگ کا عالمی دن'' مناتے ہیں..... آپ یہ بتایئے کہ دنیا میں ''رضا کاروں کا عالمی دن'' کس تاریخ کو منایا جاتا ہے؟

۹ کینیڈا کا قومی کھیل ''آئس ہاکی'' ہے..... بتایئے، برطانیہ کے قومی کھیل کا کیا نام ہے؟

۱۰ ''کانٹا نکلنا'' اردو زبان کا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب ہے ''تکلیف دور ہونا''..... بتایئے، ''کانٹے بونا'' کا کیا مطلب ہے؟

علم کی روشنی

گلاب خان سولنگی ۔ کراچی

ہجرت کرنے والوں میں پندرہ سالہ نوجوان بھی اپنی تمام جمع پونجی، جو کہ صرف ایک چھوٹا سا لکڑی کا صندوقچہ تھا، سر پر اُٹھائے مستقبل کے خواب سجائے قافلے کے ساتھ رواں دواں تھا۔

وہ نوجوان دہلی کا رہنے والا تھا۔ بچپن میں ہی وہ اپنے والد کے سائے سے محروم ہوگیا تھا اور کچھ عرصے بعد اس کی بوڑھی والدہ بھی فوت ہوگئی تھیں۔ وہ نوجوان یتیم ہوگیا تھا اور محنت مزدوری کرکے اپنا پیٹ پالتا تھا، لیکن ایسے ناموافق حالات میں بھی اس نوجوان نے تعلیم سے اپنا ناتا نہیں توڑا تھا، لیکن وہاں پر بھی اسے اپنی ناداری اور مذہب کی بنیاد پر بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ چوں کہ وہ ایک مسلمان تھا اور اسکول کا ہیڈ ماسٹر ایک ہندو تھا، اس بنا پر اُسے اسکول سے بھی فارغ کردیا گیا۔ اب ہندوستان میں اس کے لیے کچھ بھی تو نہیں تھا، پھر جب اس نے دیکھا کہ ۱۴، اگست ۱۹۴۷ء کو ایک نیا اسلامی ملک پاکستان وجود میں آیا ہے تو اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی ہجرت کرنے والے قافلے کے ساتھ شامل ہوگا۔

قافلے میں لگ بھگ پانچ سو کے قریب لوگ شامل تھے، جن میں اکثر لوگ پیدل اور کچھ لوگ بیل گاڑیوں وغیرہ پر سفر کر رہے تھے۔ کیا بچہ، کیا بوڑھا، ہر شخص ایک نئے جذبے اور ولولے کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا اور اُن سب کی منزل تھی پاکستان۔

قافلے میں موجود ایک بوڑھا شخص اسی نوجوان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس بوڑھے نے ایک بات نوٹ کی اور نوجوان سے دریافت کیا کہ ”بیٹے! اس صندوقچہ میں ایسی کون سی قیمتی چیز ہے جو آپ اس کا اتنا خیال رکھ رہے ہو؟“ نوجوان نے مسکرا کر جواب دیا:

”باباجی! یہ بات میں آپ کو پاکستان پہنچ کر ہی بتاؤں گا۔“ بوڑھا خاموش ہوگیا اور سوچنے لگا کہ یقیناً اس صندوقچہ میں رقم یا زیور ہوں گے، تبھی تو یہ مجھے بھی نہیں بتا رہا۔

اس قافلے کو راستے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جگہ جگہ ہندوؤں اور سکھوں کے اوباش اور بدمعاش قسم کے لوگوں نے قافلے کو لوٹا اور ناحق خون بہایا۔

اس نوجوان نے بوڑھے شخص کی ان فسادیوں سے جان بچائی اور قافلے کے ساتھ آگے چلتے گئے۔ آخر کار مصیبتوں کا سمندر عبور کرکے وہ قافلہ جو کہ اب صرف دو سو کے قریب افراد پر رہ گیا تھا، لاہور کے قریب پہنچ گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے لاہور کی فضا ”اللہ اکبر!“ اور ”پاکستان زندہ باد!“ کے نعروں سے گونج اٹھی۔ قافلے والے پاک سرزمین پر قدم رکھتے ہی سربسجود ہوگئے اور پاکستان پہنچنے کی خوشی میں راستے میں آنے والی ہر تکلیف کو بھول گئے۔ وہ اس سرزمین کی مٹی کو چوم رہے تھے اور خوشی کے آنسو بھی بہا رہے تھے۔ وہ لڑکا بھی اپنی منزل پاکر خوشی سے آبدیدہ ہوگیا۔ وہ بوڑھا شخص اب بھی اس کے ساتھ تھا۔

”بیٹا! اب تو بتا دو کہ اس صندوقچہ میں کیا ہے؟“ تو نوجوان نے مسکرا کر صندوقچہ کا تالا کھولا۔

بچو! جانتے ہو اس صندوقچہ میں کیا تھا۔ وہ صندوقچہ تو کتابوں سے بھرا ہوا تھا، جنھیں دیکھ کر وہ بوڑھا شخص بھی حیران رہ گیا۔

”ارے، یہ تو کتابیں ہیں! میں سمجھ رہا تھا کہ اس میں رقم اور زیور ہوں

گے۔“ لڑکے نے مسکرا کر کہا:

”بابا! علم سے بڑی کوئی بھی دولت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اَن مول آزادی کے تحفے سے بھی تو نوازا ہے۔ جس وقت ہندوستان میں مجھے اسکول سے نکالا گیا تھا، اسی وقت میں نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں آزادی ملی تو میں پاکستان جاکر اپنی ادھوری تعلیم کو مکمل کروں گا۔“ بوڑھا یہ

بقیہ صفحہ نمبر: ۴۲

کام کی بات

عبداللہ بن مسعود۔ کراچی

عکاشہ درس گاہ میں داخل ہوا۔ اُس نے اپنے دوست معاویہ کو نظریں جھکائے دیکھا، جو قرآن کریم پر انگلی رکھے سبق پڑھ رہا تھا۔

وہ دائیں بائیں سے بے خبر اپنا سبق یاد کر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اُس پر سوار ہے کہ کہیں میرا وقت ضائع نہ ہو جائے۔

عکاشہ سے رہا نہ گیا، اس نے معاویہ سے اس کی وجہ پوچھنی چاہی، مگر معاویہ نے اشارے سے اسے بات کرنے سے منع کر دیا۔ آخر آدھی چھٹی کے وقت وہ معاویہ سے دوبارہ پوچھ بیٹھا:

''معاویہ! یہ تم نظریں جھکائے اس طرح کیوں پڑھ رہے تھے، کیا تم تھکے نہیں؟ پہلے تو کبھی تم نے ایسا نہیں کیا، ہر تھوڑی دیر بعد جب تک پوری درس گاہ کا جائزہ نہ لے لو، تمھیں چین نہیں آتا تھا۔''

عکاشہ کی بات سن کر معاویہ بولا:

''عکاشہ! تم نے بالکل ٹھیک کہا۔ میں پہلے ایسا ہی کرتا تھا کہ وقفے وقفے سے پوری درس گاہ کا نظارہ کرتا، ہر آنے جانے والے کی خبر رکھتا، بار بار سر اُٹھا کر دیکھتا کہ کون کیا کر رہا ہے۔''

''تو پھر آج تمھیں کیا ہوا؟'' عکاشہ سے اتنی لمبی تمہید پر صبر نہ ہوا تو پوچھا۔

''ارے بھائی! صبر تو کرو، وہی بتا رہا ہوں۔ کل میری امی نے مجھے بلایا۔ میں بھاگم بھاگ ''جی امی'' کہتا ہوا قریب پہنچا تو امی بولیں:

'بیٹا! میں آج تمھیں ایک کام کی بات بتاتی ہوں۔ اگر تم نے اُسے یاد رکھ لیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہو جاؤ گے۔'

میں نے کہا: 'امی! میں ضرور اُسے یاد رکھنے کی کوشش کروں گا اور امی! آپ میرے لیے دعا بھی کیجیے گا کہ مجھے یاد رہے۔' امی کہنے لگیں:

'بیٹا! جب بھی قرآن کریم یا کوئی دوسرا سبق یاد کرنے بیٹھو تو پوری توجہ اور دھیان کے ساتھ پڑھو، گویا تمھارا دل، دماغ، آنکھ، کان، زبان سب اسی طرف متوجہ ہوں۔

بیٹا! اسی طرح درس گاہ میں نورانی قاعدے یا قرآن مجید پر اُنگلی رکھ کر پڑھو۔ جس طرح پانی کا قطرہ اگر ایک ہی جگہ گرتا رہے تو سوراخ کر دیتا ہے، اسی طرح سبق کو توجہ سے پڑھنے والے بچوں کو بھی سبق پکا یاد ہو جاتا ہے۔ بیٹا! جہاں نظر جاتی ہے، طالب علم کی پوری توجہ اور ذہن بھی اسی طرف چلا جاتا ہے اور سبق یاد نہیں ہو پاتا بیٹا! سبق پر توجہ رکھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ استاد صاحب دعا دیتے ہیں۔

اسی طرح جیسے نماز میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے مکمل توجہ ضروری ہے، اسی طرح سبق یاد کرتے ہوئے یا استاد جی کے سبق پڑھاتے ہوئے بھی خوب دھیان لگانا چاہیے، غافل نہیں ہونا چاہیے۔

عکاشہ! میری امی نے مجھے یہ بھی بتایا کہ ایک بچہ گھر سے مکتب جا رہا تھا۔ اس کا پورا دھیان مکتب جانے کی طرف تھا تو وہ وقت پر پہنچ گیا۔ دوسرا بچہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جا رہا تھا۔ اسے راستے میں بندر کے تماشے والا نظر آیا، وہ اسے دیکھنے لگ گیا اور اُسے دیکھنے میں اتنا مشغول ہوا کہ مکتب کی چھٹی ہو گئی اور یہ پڑھائی کا یہ نقصان اِدھر اُدھر دھیان کے بھٹکنے سے ہوا۔

اسی طرح امی نے یہ بھی بتایا کہ لوگ اپنے گھوڑوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیتے ہیں، تاکہ دائیں بائیں دیکھنے کے بجائے ان کی توجہ اور دھیان صرف اپنے کھانے کی طرف یا اپنی منزل کی طرف رہے۔

بس عکاشہ! میں آج اپنی امی کی ان نصیحتوں پر عمل کی کوشش کر رہا تھا اور آج جب میں نے پورے دھیان سے سبق یاد کیا تو مجھے یاد بھی جلدی ہو گیا ہے اور الحمدللہ! میں بھولا بھی نہیں۔''

معاویہ خاموش ہوا تو عکاشہ بولا:

''یار معاویہ! تم نے تو زبردست بات بتا دی اور میری مشکل آسان کر دی، گویا ایک خزانہ میرے ہاتھ لگ گیا ہے۔ میں بھی سبق یاد کرنے میں بہت پریشان ہوتا ہوں۔ اب میں ایسا کر کے دیکھوں گا، ان شاء اللہ!'' عکاشہ خوش ہو کر بولا۔

''اچھا، ایک فائدہ اور بتاتا ہوں۔ پہلے جب میں سبق یاد کر کے استاد جی کو سناتا تھا تو مجھے یہ ڈر ہوتا تھا کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں۔ آج جب امی کی بات پر عمل کیا تو میرا سارا ڈر نکل گیا اور جب میں نے سبق سنایا تو پورے اعتماد کے ساتھ سنایا۔ کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی۔'' معاویہ بولا۔

''معاویہ بھائی! آپ کا بہت بہت شکریہ! جزاک اللہ خیراً! عکاشہ خوش ہو کر بولا۔

بقیہ: علم کی روشنی

بات سن کر آبدیدہ ہو گیا اور پھر اُس نوجوان نے لاہور شہر کا رُخ کیا۔

بچو! اس بوڑھے شخص کا تو پتا نہیں، لیکن اس نوجوان کو میں جانتا ہوں، جو اَب ۸۳ سال کا بوڑھا ہو چکا ہے۔ وہ بوڑھا کوئی اور نہیں، میں خود ہوں۔

جی ہاں، بچو! آپ ٹھیک سمجھے۔ اب آگے کی کہانی جو کہ بس تھوڑی ہی رہ گئی ہے، میری زبانی سنو۔

لاہور مختصر قیام کے بعد میں کراچی چلا آیا اور وہاں پر ایک مشہور درس گاہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں اسی درس گاہ میں بطورِ معلم خدمات سرانجام دیتا رہا اور اس طرح علم کی شمع روشن کرتا چلا گیا۔

اب میں ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہا ہوں، لیکن میرے خیال کے مطابق علم کی شمع جلانے والا، علم دوست انسان کبھی بھی ریٹائرڈ نہیں ہوتا۔

بچو! آپ کو بھی یہی نصیحت ہے کہ یہ ملک ہمیں بڑی قربانیوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور عنایت سے حاصل ہوا ہے، ہمیں اپنی اس اَن مول آزادی کی قدر کرنی چاہیے۔

بجلی آگئی!

آمنہ خورشید۔ راول پنڈی

رات کے کوئی دو بجے ہوں گے جب فاطمہ کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔

''یہ کیا! کیا بجلی چلی گئی؟ لیکن یہاں تو بجلی نہیں جاتی۔'' نو سالہ فاطمہ نے سوچا۔ ان کا گھر ایک مشہور سوسائٹی میں تھا جہاں شاذ و نادر ہی بجلی جاتی تھی، وہ بھی ایک آدھ گھنٹے کے لیے۔ وہ بمشکل اندھیرے میں چلتی ہوئی بلال بھیا کے کمرے میں گئی۔ اسے بہت ڈر لگ رہا تھا۔

''بھیا! اٹھو، ذرا دیکھو، بجلی چلی گئی ہے۔'' گیارہ سالہ بلال آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ وہ بھی پسینے میں شرابور تھا۔

''اوہ! ٹھہرو!'' یہ کہہ کر وہ اٹھا اور سوئچ بورڈ کے سارے بٹن دبا دیے، لیکن نہ زیرو کا بلب جلا نہ ہی انرجی سیور۔ پنکھا بھی رکا ہوا تھا۔

''بجلی چلی گئی ہے یا پھر ہمارا فیوز اُڑ گیا ہے۔'' یہ کہہ بلال کمرے سے باہر نکل آیا۔ لاؤنج میں گھپ اندھیرا تھا۔ امی ابو کی آنکھ ابھی نہیں کھلی تھی۔ اچانک فاطمہ زور سے چیخی:

''بھیا! بھوت! بھوت!''

☆.....☆.....☆

''فاطمہ! بلال! چلو جلدی کرو، وین آ گئی ہے۔'' امی نے باورچی خانے سے آواز لگائی تو دونوں نے دودھ کا آخری گھونٹ لیا اور بستے سنبھالے کھڑے ہو گئے، پھر اُنھوں نے امی کو سلام کیا اور وین میں جا کر بیٹھ گئے۔

ان کے جانے کے بعد امی دروازہ بند کر کے اندر آئیں تو تھک گئیں۔ آج پھر فاطمہ اپنے کمرے کی بتی کھلی چھوڑ گئی تھی۔ بلال کے کمرے کا پنکھا بھی چل رہا تھا۔

''نہ جانے انھیں کب سمجھ آئے گی۔ میں تو سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں۔'' امی نے سوچا۔

☆.....☆.....☆

''فاطمہ! آپ نے میز کا لیمپ بند کر دیا ہے؟'' فاطمہ جیسے ہی پڑھائی کر کے باہر آئی تو امی نے پوچھا۔

''اوہ! نہیں امی! ابھی بند کرتی ہوں۔'' فاطمہ جلدی سے واپس گئی اور لیمپ بند کر دیا۔

''یہ بلال کہاں ہے؟'' تھوڑی دیر بعد ابو نے پوچھا۔ وہ پودوں کو پانی دے رہے تھے۔ ''اس سے کہو نل بند کر دے۔''

''جی ابو!'' فاطمہ نے کہا اور بلال کے کمرے میں گئی تو بیت الخلا کی بتی جلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

''ابو! شاید بھیا بیت الخلاء میں ہیں۔'' فاطمہ بولی۔

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد بلال چھت سے نیچے اترا۔

''امی! آلو کے چپس بن گئے؟ بہت بھوک لگ رہی ہے۔''

''بلال!'' یہ ابو کی غصیلی آواز تھی۔

''آپ نے پانی کا نل بند کیوں نہیں کیا۔ وہ تو میں وائپر لینے باہر گیا تو دیکھا کہ پانی ضائع ہو رہا ہے۔ آپ سے کتنی دیر پہلے کہا تھا کہ نل بند کر دو۔'' ابو جان نے خوب ڈانٹ پلائی۔

یہ فاطمہ اور بلال دونوں ہی کی بُری عادت تھی کہ جس کمرے میں جاتے بتی یا پنکھا کھلا چھوڑ آتے۔ بیت الخلا کی بتی بھی اکثر کھلی رہتی۔ صحن میں کھیلنے جاتے تو وہاں بھی سوئچ بورڈ کے سارے بٹن دبا آتے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ دروازے کے اردگرد لگے بڑے بلب بھی سارا دن جلتے رہتے۔

اس دن فاطمہ چھت پر گئی تو سیڑھیوں کا بلب کھلا چھوڑ دیا۔ رات کو امی نے سب دروازے چیک کیے تو سیڑھیوں والے دروازے کے نیچے سے ہلکی ہلکی سی روشنی نظر آئی۔

''دیکھو میری بیٹی! بجلی بھی اللہ پاک کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ہمارے روزمرہ کے بہت سارے کام بجلی کی بدولت انجام پاتے ہیں۔ اگر ہم اس نعمت کی ناشکری کریں گے تو اللہ پاک بہت ناراض ہوں گے۔'' امی بلب بند کر کے آئیں اور فاطمہ کو سمجھانے لگیں۔

''جی امی!'' حسبِ معمول ایک زوردار جمائی لیتے ہوئے فاطمہ نے امی کی بات ایک کان سے سنی اور دوسرے سے نکال دی۔

☆.....☆.....☆

''امی! یہ بجلی کب آئے گی؟'' بلال نے جھنجھلا کر پوچھا۔

''آجائے گی بیٹا! انھوں نے بتایا ہے کہ وہ ٹھیک کر رہے ہیں۔'' امی نے جواب دیا۔

سوسائٹی کے مین گرڈ اسٹیشن میں کوئی خرابی ہوگئی تھی۔ اسے ٹھیک کرنے میں بیس سے چوبیس گھنٹے درکار تھے۔ اب گھر کے سارے کام رکے ہوئے تھے۔ یہ شکر تھا کہ اگلے دن اتوار تھا۔

''امی! آج راشد کے گھر میں پارٹی ہے۔ میں نے وہاں جانے کے لیے کپڑے استری کے پاس رکھ دیے ہیں۔'' بلال نے امی کو بتایا تو وہ ہنستے ہوئے کہنے لگیں:

''بیٹا! بجلی نہیں ہے۔ آپ وہ نیلا جوڑا پہن جاؤ جو الماری میں لٹکا ہوا ہے۔''

''نہیں، مجھے یہ والا پسند ہے۔ بجلی کب آئے گی؟'' بلال یہ سوال کوئی بیسویں بار پوچھ رہا تھا، اس لیے امی نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''مجھے نہانا ہے اور پانی نہیں آرہا۔ موٹر چلائیں نا!'' فاطمہ بے قرار ہو کر بولی۔

''بیٹا! بجلی نہیں ہے۔ آپ آج نہیں نہاؤ۔ جب بجلی آئے تب نہا لینا۔'' امی نے سمجھایا تو فاطمہ منہ بنانے لگی۔

''امی! اتنی گرمی لگ رہی ہے۔ ہم باہر جائیں کھیلنے کے لیے؟'' بلال نے پوچھا تو امی نے اجازت دے دی۔

رات ہو چکی تھی، لیکن بجلی کا نام و نشان نہیں تھا۔

''کل بھی میں امی کے عبایا کو اندھیرے میں دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ ایسا لگا تھا جیسے کوئی بھوت ہے۔'' فاطمہ نے کہا۔

''ابھی پھر اندھیرا ہو رہا ہے۔ بھیا! بجلی کب آئے گی؟'' فاطمہ کو ڈر لگ رہا تھا، پھر اچانک اسے کچھ یاد آیا۔

''ارے ہاں! میری استانی نے کل ریاضی کا ٹیسٹ دیا تھا اور میں نے بالکل تیاری نہیں کی۔''

''ہاں، میں نے خود آدھا ہوم ورک کیا تھا کہ چارجنگ لائٹ کی چارجنگ ختم ہوگئی۔'' کافی دیر سے خاموش بیٹھے بلال نے اداسی سے بتایا۔

''فاطمہ! ہم نے بہت بجلی ضائع کی ہے نا! اسی لیے اللہ پاک نے ہمیں سزا دی ہے۔ دیکھو، صرف بجلی نہ ہونے کی وجہ سے کتنے کام رک گئے ہیں۔ پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں آرہا ہے نلوں میں۔ امی اندھیرے میں کھانا بھی صحیح طرح نہیں پکا سکیں، ان کا ہاتھ جل گیا۔ ابو موبائل کی چارجنگ نہ ہونے کی وجہ سے کئی فون نہیں کر سکے۔ ہم نے بھی پڑھائی کرنے کی کوشش کی، لیکن بے سود۔ اور اوپر سے گرمی! اف!'' یہ کہتے ہوئے بلال نے ماتھے سے پسینا صاف کیا۔

''ہاں، مجھے لگ رہا ہے کہ کل ہمیں بغیر استری کیے یونی فارم پہن کر جانا پڑے گا۔ میڈم تو ہمیں کلاس سے باہر کھڑا کر دیں گی بھیا!'' فاطمہ رو دینے کو تھی۔

اسی وقت بجلی آگئی۔

''امی! ابو! بجلی آگئی۔ بجلی آگئی۔'' دونوں نے یک دم نعرہ مارا اور کمرے سے نکل آئے۔

امی ابو نے بھی الحمدللہ کہا، پھر بلال کہنے لگا:

''امی جان! اب ہم کبھی بجلی اور کوئی بھی نعمت ضائع نہیں کریں گے۔ ہماری سمجھ میں آگیا ہے کہ نعمت کی ناشکری کرنے سے اللہ پاک ناراض ہو جاتے ہیں۔'' بلال سر جھکائے کہہ رہا تھا۔ فاطمہ بھی شرمندہ سی کھڑی تھی۔ امی نے دونوں کو گلے لگا لیا۔

صف شکن ۲۲

محمد فہیم عالم

حاکمِ قیصاریہ نے بڑی بہادری سے بالڈون ثالث کے لشکر کا مقابلہ کیا اور پندرہ دن تک صلیبیوں کو قلعے کے پاس بھی نہ پھٹکنے دیا۔ اتنے میں شیرکوہ بھی ایک زبردست لشکر لے کر اہلِ قیصاریہ کی مدد کے لیے پہنچ گیا اور یوں صلیبی ناکام ہو کر واپس انطاکیہ چلے گئے۔ انھیں دنوں اللہ تعالیٰ نے سلطان نورالدین زنگی کو صحت عطا فرمائی۔

شیرکوہ نے سلطان کی شفایابی کی اطلاع سنی تو وہ مبارک باد دینے کے لیے فوراً حلب پہنچا۔ سلطان نے شیرکوہ کا شکریہ ادا کیا اور قیصاریہ اور دمشق کے دفاع کے لیے اُس کی کوششوں کی تعریف بھی کی۔

"شیرکوہ! جب تک مجھے تم جیسے بہادر اور نڈر مجاہد میسر ہیں، ان شاء اللہ! میں صلیبیوں کے خلاف کسی بھی جنگ میں شکست نہیں کھاؤں گا۔"

"اللہ، سلطان کا سایہ تا زندگی ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔" شیرکوہ نے ادب سے کہا۔

"بے شک ہم اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور ہمیں اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ شیرکوہ! تم اپنے جاں بازوں کے ساتھ فوراً شیزر روانہ ہو جاؤ۔ گزشتہ سال آنے والے زلزلے میں شیزر کے حکم ران تاج الدولہ بن ابی العساکر کی موت کے بعد شیزر کے نظامِ حکومت میں ابتری پیدا ہو گئی ہے۔ یہ قلعہ جیسے ہمارے لیے اہم ہے ویسے ہی صلیبیوں کے لیے بھی اس کی بہت اہمیت ہے۔ ہم کسی بھی صورت میں شیزر پر صلیبی تسلط قبول نہیں کریں گے۔" سلطان نورالدین زنگی نے کہا۔

"جو حکم سلطان! ان شاء اللہ بہت جلد آپ شیزر پر حلب کا پرچم لہرائے جانے کی خبر سنیں گے۔" شیرکوہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

دوسرے دن شیرکوہ اپنے لشکر کے ساتھ شیزر کی طرف رواں دواں تھا۔ قلعہ شیزر، حماۃ سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ اس کے تین اطراف اونچے اونچے پہاڑ تھے، جب کہ چوتھی طرف اورنٹس (Orontes) دریا تھا۔ دریا کے آگے ایک طویل سرنگ تھی، جس کے بعد ایک گہری خندق تھی۔ اہلِ شیزر نے اس دریا پر لکڑی کا ایک پل بنایا ہوا تھا۔ شیزر میں

آمدورفت اسی پل کے ذریعے ہوتی تھی۔ قدرتی طور پر یہ ایک محفوظ قلعہ تھا، لیکن انتظامی ابتری کی وجہ سے عیسائی کئی مہینوں سے شیزر پر دانت تیز کر رہے تھے۔ شیرکوہ شیزر پہنچا تو اہل شہر نے بغیر کسی حیل وحجت کے سلطان نورالدین زنگی کی اطاعت قبول کرلی۔ شیرکوہ نے شہر میں داخل ہوکر قلعے کی فصیلوں کو دوبارہ تعمیر کیا اور نورالدین زنگی کے حکم کے مطابق مجدالدین ابن الدولہ کو شیزر کا حاکم بنا کر واپس آ گیا۔

★...★...★

''اب تک صلیبی ہم پر حملے کرتے آئے ہیں، اب ہم اُن پر حملہ کریں گے۔''

سلطان نورالدین زنگی اپنے مشیروں اور سپہ سالاروں کے درمیان موجود تھا۔

''یروشلم کی صلیبی ریاست کا سرکش حکم ران بالڈون ثالث ایک مہم جو طبیعت انسان ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ حلب کی اسلامی سلطنت اُسے ایک آنکھ نہیں بھا رہی۔ ہمارے علاقوں پر براہِ راست حملہ کرنے کی ہمت تو اُسے ابھی تک نہیں ہوئی، لیکن مجھے پتا چلا ہے کہ اسلامی سلطنت کے خلاف دہشت گردوں کی سرگرمیوں اور وحشی صلیبیوں کے پیچھے اُسی کا ہاتھ ہوتا ہے، اس لیے ہم ریاست یروشلم کے اندر گھس کر اُسے سبق سکھائیں گے۔''

تمام مشیروں اور سالاروں نے اس رائے اور فیصلے کا خیر مقدم کیا۔ ۹ ربیع الاول ۵۵۳ھ ہجری کو سلطان نے دمشق سے کوچ کیا اور پھر دو دن جسر خشب کے مقام پر قیام کرنے کے بعد اسلامی لشکر اپنی سرحد کو عبور کر کے عیسائی علاقے میں داخل ہوگیا۔

بالڈون ثالث کو اسلامی لشکر کی پیش قدمی کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی۔ صلیبی لشکر نے بھی مقابلے کی تیاری کر لی تھی۔ حیبش کے مقام پر دونوں لشکر آمنے سامنے تھے۔

عام لڑائی کے آغاز سے پہلے صلیبی لشکر میں سے دو جنگ جُو میدان میں آئے اور اسلامی لشکر کو مقابلے کے لیے للکارا۔ امیر عمادالدین شہید کا آزاد کردہ غلام خطلخ زاہد مقابلے کے لیے آیا۔ مقابلہ شروع ہوا۔ خطلخ نے چند لمحوں میں دونوں صلیبی جنگجوؤں کو خاک وخون میں لوٹا دیا۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہوئی۔

اسلامی لشکر کے پہلے حصے میں نوآموز سپاہی تھے۔ عیسائیوں نے اس قدر تیز حملہ کیا کہ نوآموز مجاہدین اپنی صفوں کی ترتیب برقرار نہ رکھ سکے اور منتشر ہوکر پیچھے ہٹنے لگے۔ لشکر کے بائیں دستے نے اس نوآموز دستے کو سہارا دینے کی کوشش کی، لیکن نوآموز مجاہدین کے پیچھے ہٹنے سے صلیبیوں میں جوش و خروش بھر گیا تھا۔ انھوں نے تین اطراف سے ایسا شدید حملہ کیا مجاہدین کے قدم اکھڑ گئے۔ صلیبیوں نے مسلمانوں کی کم زوری کو بھانپ لیا اور ایسا شدید دباؤ ڈالا کہ اسلامی لشکر انتہائی بے ترتیب حالت میں پسپا ہونے پر مجبور ہوگیا، تاہم سلطان اس نازک وقت میں بھی اپنے جاں نثاروں کے ایک دستے کے ہم راہ میدانِ جنگ میں ڈٹا رہا۔ جب صلیبیوں نے ہر طرف سے اسلامی لشکر کو گھیر لیا تو سلطان اپنے ساتھیوں کے ہم راہ ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور اپنے جاں بازوں کے ساتھ مل کر صلیبی لشکر پر تیر برسانے لگا۔ اُس وقت اُس کی زبان پر دعا کے الفاظ جاری تھے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''میرے مولا! تُو نے مجھ جیسے ناتواں اور کم زور آدمی کو اِس ملک کی حکومت عنایت کی۔ میرے مالک! تُو نے مجھے سعادت بخشی کہ میں نے تیرے شہروں کو آباد کیا، تیرے بندوں کو نصیحت کی۔ میں نے انھیں ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا جن کا تُو نے نے حکم دیا اور انھیں ان کاموں سے روکا جن سے تُو نے روکا ہے۔ میں نے انھیں تیری منع کی ہوئی چیزوں سے روکا اور تیرے احکامات کو اِن علاقوں پر لاگو کیا۔ اس جنگ میں تیرے بندوں کو شکست ہوئی ہے۔

میرے مولا! یہ کافر تیرے دین اور تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کے دشمن ہیں۔ میں اکیلا انھیں روک نہیں سکتا۔ میرے اللہ! میں صرف اپنی جان کا مالک ہوں اور میں نے اپنی جان کو تیرے دین کی حفاظت اور تیرے نبی ﷺ کی حمایت کے لیے ان کے سپرد کر دیا ہے۔''

سلطان کے ان الفاظ اور اس دعا نے مجاہدین میں جوش وخروش پھونک دیا اور اُنھوں نے ایک ایسا زور دار حملہ کیا کہ غالب آئے صلیبیوں کے قدم اکھڑنے لگے۔ اب چوں کہ اسلامی دستے پہاڑی ٹیلے پر تھے، جب کہ صلیبی نشیب میں، اس لیے مسلمانوں کی شدید تیر اندازی سے صلیبیوں کو کافی جانی نقصان ہوا، جب کہ مسلمان بلندی پر ہونے کی وجہ سے محفوظ تھے۔ شام تک جنگ کا پانسا پلٹ گیا۔

صلیبیوں نے جب دیکھا کہ میدان اب اُن کے ہاتھ میں نہیں رہا تو وہ دھیرے دھیرے پیچھے ہٹنے لگے۔ سلطان اپنے جاں بازوں کے ساتھ ٹیلے سے اُتر آیا اور پسپا ہوتے صلیبی لشکر پر ایک فیصلہ کن حملہ کر دیا۔ عیسائی گھبرا کر پیچھے ہٹے اور رات کی تاریکی میں روپوش ہوگئے۔

چوں کہ اس لڑائی میں سلطان کے لشکر کا بڑا حصہ میدانِ جنگ سے فرار

ہوگیا تھا، اس لیے اس نے دشمن کے علاقے میں مزید پیش قدمی جاری رکھنا مناسب نہ سمجھا اور دمشق واپس آ گیا۔ سلطان کو دشمن کے علاقے میں اس پیش قدمی سے باقاعدہ فتح تو حاصل نہیں ہوئی تھی، لیکن اسلامی لشکر کی دھاک بالڈون ثالث پر بیٹھ گئی تھی۔ صلیبیوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ مسلمان ان کے علاقوں پر حملے کی جرأت اور طاقت رکھتے ہیں۔

سلطان کی غیر موجودگی میں دمشق کی مقامی حکومت نے سبزی، ترکاری، بازاروں اور نہروں پر ٹیکس عائد کر دیا تھا اور اُن ٹیکسوں کی مد میں لوگوں سے ہزاروں دینار بھی وصول کر لیے تھے۔ سلطان واپس دمشق پہنچا تو اُس نے ٹیکس لگانے پر شدید ناراضی کا اظہار کیا۔ اُس نے تمام ٹیکس ختم کر دیے اور لوگوں سے وصول شدہ روپیہ واپس کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان نے دودھ اور گھی پر ٹیکس معاف کر دیے اور ایک حکم نامہ اپنے دستخط اور مہر کے ساتھ جاری کیا، اس حکم نامے کو شہر کے تمام اہم مقامات پر آویزاں کیا گیا۔ جمعہ کے خطبوں میں بھی یہ حکم نامہ پڑھ کر سنایا گیا۔ اس حکم نے دمشق کی عوام پر بہت اچھا اثر کیا۔ لوگ سلطان کے اچھے سلوک اور عمدہ اندازِ حکم رانی کے گن گانے لگے۔

سلطان دمشق ہی میں تھا کہ ایک مرتبہ پھر اُسے بیماری نے آلیا۔ اس مرتبہ مرض اتنا بڑھا کہ سلطان چلنے پھرنے سے بھی معذور ہوگیا۔ شدت سے بار بار غشی کے دورے پڑتے تھے، کوئی غذا ہضم نہ ہوتی تھی۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا کہ سلطان بس چند دن کا مہمان ہے۔ نزع کی سی حالت میں سلطان نے اپنے خاص خاص امرا کو طلب کیا اور اُن سے کہا:

''میں اس بیماری سے شاید ہی جاں بر ہوسکوں، اس لیے میری خواہش ہے کہ تم لوگوں کو اپنی آخری نصیحت کر دوں۔'' سلطان سانس لینے کے لیے رُکا۔

نقاہت کی وجہ سے سلطان کو مسلسل بولنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ سب امرا اور مشیر ہمہ تن گوش ہو کر سلطان کی طرف متوجہ تھے۔ سب کی آنکھیں نم اور دل غم زدہ تھے۔ اس وقت جب کہ ہر طرف صلیبی دہشت گرد دندناتے پھر رہے تھے، مسلمانوں پر ظلم و ستم کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے اور اسباب کے درجے میں مسلمانوں کی واحد اُمید اور نجات دہندہ سلطان نورالدین زنگی تھا، لیکن اَب وہ چراغ کہ جس سے مجاہدین اور اُمت مسلمہ کا درد رکھنے والے روشنی پاتے تھے، کسی دم بجھنے کو تھا۔

.....(جاری ہے).....

بلاعنوان (۱۵۴) شمارہ فروری ۲۰۲۰ء کے بہترین عنوان ارسال کرنے والے تین قارئین

اول: ''علم کی زکوٰۃ'' — مصباح صدف۔ ٹنڈو آدم

دوم: ''کر بھلا ہو بھلا'' — شانزے فیصل۔ کراچی

سوم: ''ہیرو کون؟'' — عائشہ محمد عتیق۔ کراچی

نوٹ: اول والا عنوان پانچ قارئین نے بھیجا تھا۔ بذریعہ قرعہ اندازی مصباح صدف۔ ٹنڈو آدم انعام کی حق دار ٹھہریں۔ باقی چار قارئین حافظ محمد اسامہ ذاکر۔ حاصل پور، محمد زید کرنالوی، محمد فیصل رانا۔ سرگودھا اور آصف علی مرزا۔ کلورکوٹ ہیں۔

اچھے عنوانات ارسال کرنے والے دیگر قارئین

کراچی: محمد یامین، محمد احمد خان، محمد عمر فاروق، بریرہ بنت منظور احمد، خدیجہ محمود، اسد یوسف، بلال مزمل، مصطفیٰ جاوید، محب الرحمٰن، ایان ظفر، نمرین اطہر، یمنیٰ بنت محمد سہیل، محمد ابراہیم بن محمد لطیف، علینا اختر، سلیمان ابراہیم، عبدالرحمٰن بن نصیب الرحمٰن، محمد زید کرنالوی، حفصہ محمد شفیق، نورِ حرم، محمد شائل بن کامران، حفصہ شفیق، محمد عثمان بن عبدالعزیز، عبہ محمد قاسم، فاطمہ صدیقی، عبدالباسط بن نوید لطیف، حافظ حماد شمس، سعدیہ عثمان، عبدالرحمٰن ندیم، عائشہ عادل، محمد مصطفیٰ، لائبہ آصف، زینب آصف، جویریہ بنت آصف، محمد معاذ بن محفوظ الحق۔ **حیدرآباد:** طٰہٰ یاسین، جویریہ قریشی، نہیرہ گل، نور فاطمہ خانم۔ **ٹنڈو آدم:** عائشہ، عروش، زینب، حمساء بنت عبدالرحیم۔ **میر پور خاص:** عدینہ بنت محمد رضوان۔ **صادق آباد:** تماضر ساجد۔ **رحیم یار خان:** محمد ربیعہ بلال صدیقی۔ **کلورکوٹ:** راؤ ارشاد احمد، راؤ جمیل احمد، محمد نبیل احمد، آصف احمد مرزا، صالح علی مرزا۔ **قائم پور:** محمد عبداللہ بن محمد ندیم۔ **حاصل پور:** حافظ محمد اسامہ ذاکر، حافظ محمد اشرف، عبدالصبور، حافظ حسان ریاض، محمد شاہد رفیق، حافظ محمد عبداللہ شاہد، نور محمد مکی حجازی، محمد ضیاء الرحمٰن فاروقی۔ **سرگودھا:** محمد اسماعیل، محمد فیصل رانا۔ **میانوالی:** محمد احمد مزمل۔ **سیالکوٹ:** ام عمارہ۔ **لاہور:** حافظ محمد حسن ابرار۔ **راول پنڈی:** ملک محمد احسن، محمد اسماعیل ربانی۔ **مردان:** حمنہ افتخار۔ **ڈیرہ غازی خان:** سدرہ نور چشتی۔

☆وقت کی قدر کرو، کیوں کہ گزرا ہوا وقت واپس نہیں آتا۔

(بنت محمد یاسین میمن۔؟)

☆سب سے کم زور وہ شخص ہے جو اپنا راز نہ چھپا سکے۔

☆اگر تم سخت محنت کے عادی ہو تو ان شاءاللہ مفلسی تمھارے نزدیک نہیں آئے گی۔

(محمد احمد اسلم، عزیز اسلم۔کراچی)

☆کم کھانے میں صحت ہے اور کم بولنا سمجھ داری ہے۔

☆کسی پہاڑ پر اتنا بوجھ نہیں ہوتا، جتنا بے قصور پر تہمت لگنے کا بوجھ ہوتا ہے۔

☆انسان کی زبان بھی بہت عجیب چیز ہوتی ہے۔ چاہے تو دل توڑ دے، چاہے تو دل جوڑ دے۔

(حفصہ عامر۔راول پنڈی)

☆پتھر کے جواب میں دعا دینا، کانٹوں کے جواب میں پھول برسانا نبی ﷺ کی تعلیمات میں سے ہے۔

☆ندامت کا ایک آنسو گناہوں کا انبار مٹا سکتا ہے۔

☆ادب انسان کا زیور ہے۔

(حافظ محمد اشرف، محمد ارشد، زہرہ بلال۔حاصل پور)

☆اپنی آواز کی بجائے اپنے اخلاق کو بلند کرو، کیوں کہ پھول بارش برسنے سے کھلتے ہیں، بادلوں کے گرجنے سے نہیں۔

(محمد سفیان صدیق۔شجاع آباد)

☆اگر روزی عقل سے ملتی تو دنیا سے عقل مند لوگ بھوکے مر جاتے۔

☆زندگی، غم کا دوسرا نام ہے، اسے برداشت کرنا سیکھو۔

☆کسی کا دل مت دکھاؤ، کیوں کہ دل تم بھی رکھتے ہو۔

(ثمن ایم فاروق۔حیدر آباد)

☆نعمتیں ان کے پاس کا ملا کرتی ہیں جو نعمتوں کی قدر کرتے ہیں۔

☆جو لوگ تعریف کے بھوکے ہوتے ہیں، وہ باصلاحیت نہیں ہوتے۔

☆جس دل میں قوت برداشت ہو وہ کبھی شکست نہیں کھاتا۔

(جویریہ عاشی۔؟)

☆کسی چیز کو ناممکن سمجھ کر رب سے دعا کرنا مت چھوڑو، کیوں کہ ممکن اور ناممکن تو ہماری سوچ ہے، رب کے لیے تو کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔

☆اگر ہمارے اعمال کے مطابق ہمیں ملتا تو ہمارے پاس کچھ بھی نہ ہوتا۔

(عاطف منور۔دادو)

☆لوگ نصیحت سے نہیں، ٹھوکر سے سبق لیتے ہیں، کیوں کہ نصیحت اکثر ایک کان سے داخل ہو کر دوسرے کان سے نکل جاتی ہے، مگر ٹھوکر سیدھی دل پر لگتی ہے۔

☆ہم جتنا مردے کو کندھا دینے کو افضل سمجھتے ہیں، اتنا کسی زندہ کو سہارا دینا سمجھ لیں تو ہزاروں انسانوں کے حالات ٹھیک ہو جائیں۔

(لبینہ مطلوب۔پپلاں)

☆اچھے اعمال میں سے ایک اچھا عمل بُری باتوں سے زبان کی حفاظت ہے۔

(ناہید انجم۔ٹھٹھہ)

☆زندگی گزر گئی سب کو خوش کرنے میں۔ جو خوش ہوئے وہ اپنے نہ تھے، جو اپنے تھے وہ خوش نہ ہوئے۔

☆جب تک منزل نہ ملے حوصلہ مت ہارو۔

☆جب تم کسی دوست کو جیتا دیکھو تو فخر سے کہو، یہ میرا دوست ہے اور جب تم اُسے مصیبت میں دیکھو تو کہو: میں اس کا دوست ہوں۔

(انیسہ فاطمہ۔؟)

بکھرے موتی

قارئین

فروری کے شمارے میں اپنا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ سرورق نظم بھی شان دار تھی۔ ''بلاعنوان'' اور ''قصور وار کون؟'' بہت پسند آئیں۔ ''سیرت کہانی'' ''صف شکن'' اور ''جھوٹوں کے جھوٹے'' یہ سب سلسلے اچھے چل رہے ہیں۔ اس مرتبہ کے ''سال نامے'' میں ''چار'' والا سلسلہ آسان اور دل چسپ سا ہونا چاہیے اور کوئی نیا انوکھا سلسلہ بھی ہونا چاہیے۔ (زہرہ بلال۔ حاصل پور)

شمارہ فروری بہت اچھا تھا۔ خاص طور پر ''بلاعنوان'' بہت ہی زبردست تھی۔ ''بلاعنوان'' نے ہماری آنکھوں پر پڑے پردے کو ہٹا دیا، اگر ہم اسے نہ پڑھتے تو ہم اس علم کی زکوٰۃ سے محروم ہو جاتے اور اس عظیم دولت کو اپنے تک ہی محدود رکھتے، پر بخل ہو جائے تمام تعریفیں اس پاکیزہ ذات کے لیے، جس نے آپ کو ہماری ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ مزید ایک گزارش ہے کہ آپ یہ بتائیں آپ کو اس شمارہ کا کون سا خط بہت اچھا لگا۔

(مصباح اقرا۔ جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم، ٹنڈو آدم)

☆ تمام۔

فروری کا شمارہ زبردست تھا۔ ''پیغام الٰہی'' اور ''پیغام نبوی'' بھی بہت اچھے تھے۔ ''ذوقِ مصوری'' میں اپنی مصوری دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ تمام کہانیاں بہت زبردست تھیں۔ ''شکر پارے'' بھی کیا خوب تھے۔ ''جی امی جان!'' اچھی کہانی تھی۔ حافظ ابو ہریرہ کا خط پڑھا۔ میری بھی رائے ہے۔ نظمیں مزے دار تھیں۔ (حفصہ محمد شفیق۔ کراچی)

فروری کا شمارہ تھا۔ بڑا ہی پیارا۔ ہر تحریر کا انداز بھی تھا نیارہ۔ ''بلاعنوان'' نے بھی کام یابی کا خوب رنگ نکھارا۔ ''نئے لکھاریوں'' نے بھی خوب میدان مارا۔ آپ کی ''علیک سلیک'' بھی تھی آنکھوں کا تارا۔ ''بکھرے موتیوں'' نے بھی خوب عملی رنگ ابھارا۔ الغرض شمارہ پسند آیا سارے کا سارا۔

(محمد ارشد۔ حاصل پور)

آپ کا رسالہ ''ذوق وشوق'' بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ یہ رسالہ بہت معیاری ہے۔ اس میں ہمیشہ ہی معلوماتی کہانیاں، قصے اور نظمیں ہوتی ہیں۔ مجھے بھی کہانیاں لکھنے کا بہت شوق ہے۔ میں اکثر مختلف رسالوں میں کہانیاں ارسال کرتی ہوں۔ (نور حرم۔ کراچی)

انکل! ماہ نامہ ''ذوق وشوق'' میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ میں اس کا بالکل نیا قاری ہوں۔ فروری کے سرورق پر نظر پڑتے ہی بے اختیار بے چارے گھوڑے پر ترس آیا۔ ویسے پورا رسالہ ہی لاجواب تھا۔ خاص کر ''صف شکن''، ''جھوٹوں کے جھوٹے'' اور ''پانی کہانی'' بہت اچھے جا رہے ہیں۔ ''جی امی جان!''، ''پانچ سو کے پیچھے'' اور ''بلاعنوان'' سبق آموز کہانیاں تھیں۔ اس کے علاوہ نظموں میں جناب احمد حاطب صدیقی صاحب کی ''میں کچھ کہہ نہ پایا'' سب سے آگے تھی۔ اب آخر میں ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں کہ اگر ایک کہانی جو چند لوگوں کے ایک گروپ نے مل کر لکھی ہے تو اُسے گروپ کے نام سے بھیجیں یا کسی ایک کے نام سے؟

(محمد حمزہ امین۔ کراچی)

☆ سب کا نام لکھ دیں۔

سرورق اتنا خاص نہیں لگا۔ ''بلاعنوان'' بہت اچھی اور سبق آموز کہانی تھی۔ ''غلطی کہانی'' بہت عمدہ تھی۔ ''سمندر کا سفر'' دل کو نہ بھائی۔ مدیر صاحب! آپ سے گزارش ہے کہ رسالے میں اشتیاق احمد صاحب مرحوم کا ناول بھی شائع کریں اور کوئی نیا سلسلہ بھی شروع کریں جو سب سلسلوں سے زیادہ دل چسپ ہو۔

(سمن ایم فاروق۔ حیدر آباد)

☆ آپ کی رائے بھی آجاتی تو اچھا ہو جاتا۔

خط جو آپ کا ملا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فروری کا شمارہ شان دار گھوڑے سے مزین ملا۔ ہم سمجھے شاید فضیلت جہاد پر کوئی نمبر نکالا ہے، وہ بھی بلا اطلاع، مگر جب جناب احمد حاطب صدیقی کی نظم پڑھی تو سچ پوچھیے بہت مزہ آیا۔ جناب احمد حاطب صدیقی بہت اچھی نظمیں لکھتے ہیں۔ ''سیرت کہانی'' اب جب حبشہ کے دربار تک پہنچی،

جناب عبدالعزیز صاحب نے تقریر بہت ہی مؤثر انداز میں اردو کے قالب میں ڈھالی ہے۔ ہماری طرف سے انھیں بہت بہت مبارک باد! اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ! ساری کہانیاں زبردست تھیں، مگر سب سے اعلیٰ ''جی امی جان!'' اور ''یوں نہ کیجیے'' تھیں۔

(صفیہ یامین۔ کراچی)

☆جی، جناب عبدالعزیز صاحب تک آپ کی مبارک باد پہنچ گئی ہے۔ شکریہ ادا کررہے ہیں۔

فروری کے شمارے میں ساری تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ سرورق بھی انوکھا اور قابلِ داد تھا۔ اپنا خط نہ پا کر حیرت ہوئی۔ اس مرتبہ ''ذوق وشوق'' شمارہ لینے والے ہمارے ادارے میں تین مزید قارئین کا اضافہ ہوا ہے۔ ''سال نامے'' کا بہت شدت سے انتظار ہے۔ (نور محمد مکی حجازی۔ حاصل پور)

ماہِ فروری کا شمارہ ہاتھوں میں ہے۔ سرورق مناسب تھا۔ آپ کی ''علیک سلیک'' نے بھی ماشاء اللہ بہت اچھا سبق دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ رسالے میں سب کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ ''جی امی جان!'' اور ''پانچ سو کے پیچھے'' کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔ جناب مدیر صاحب! ''ماموں ملال'' اور ''مسٹر بھوندو'' اب سوائے خاص شماروں کے اور کسی شمارے میں نظر نہیں آتے، جب کہ پچھلے شماروں میں دیکھا جائے تو اُن کی کہانیاں کثرت سے شائع ہوتی تھیں۔ (عبدالرحمن ندیم۔ کراچی)

☆شاید ماموں ملال اور مسٹر بھوندو مصروف ہوگئے ہیں۔

ایک لمبی چوڑی غیر حاضری کے بعد لمبے چوڑے خط کے ساتھ حاضر ہیں۔ فروری ۲۰۲۰ء کا شمارہ ہاتھ آیا۔ سرورق پر غور کرتے ہوئے سیدھے ''علیک سلیک'' پر پہنچے۔ اسے پڑھنے کے بعد آگے بڑھنے کے بجائے ٹھٹھک کر رُک گئے، کیوں کہ وہاں لکھا تھا کہ اتوار کا دن تھا اور ہمارا ماسٹر زان ایجوکیشن کا آخری پرچہ تھا۔ اتوار کا دن کون سا پرچہ ہوتا ہے؟ یہ سوچ سوچ کر دماغ پاگل ہوگیا اور کہیں میں سچ مچ پاگل نہ ہوجاؤں، اس لیے یہ سوال آپ ہی حل کریں۔

(وجیہہ عبدالوحید۔ خانپور)

☆خدارا! آپ پاگل نہ ہوں، ویک اینڈ کلاسز ہونے کی وجہ سے پرچہ اتوار ہی کو تھا۔

آج تقریباً ایک سال بعد بذریعہ خط آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہورہا ہے۔ فروری کا شمارہ اپنے چمکتے دمکتے سرورق کے ساتھ میرے سامنے ہے۔ سرورق دیکھ کر حیران ہوگیا۔ ''علیک سلیک'' میں ایک گہرا سبق تھا۔ ''سیرت کہانی'' ایک اچھا سلسلہ ہے۔ ''بلاعنوان'' ایک بہترین کہانی تھی۔ ''محبت نگر کا پل'' ایک محبت کا درس دیتی کہانی تھی۔ احمد حاطب صدیقی کی نظم ''میں کچھ بھی کہہ نہ پایا'' دل پر جا کر لگی، بہت ہی خوب صورت نظم تھی۔ ''غلطی کہانی، حسن کی بہادری'' اچھی تحریر تھی۔ یہ سلسلہ مجھے بہت پسند ہے۔ ''شکر پارے'' اچھے تھے۔ ''قصور وار کون؟'' ایک سبق آموز کہانی تھی۔ ''سوال آدھا، جواب آدھا'' بہت مشکل لگا۔ نو آموز کی تمام تحریریں بہترین تھیں۔ ''صف شکن'' اچھا جارہا ہے۔ ردی کی ٹوکری کو دور سے سلام! (محمد عمر فاروق۔ کراچی)

☆ردی کی ٹوکری کی طرف سے آپ کو بھی سلام!

فروری کا شمارہ ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا۔ ہر تحریر، نظم، کہانیاں بہت پسند آئیں۔ ''پانی کہانی'' تو ہمیشہ کی طرح اچھی تھی۔ ''ذوقِ معلومات'' مشکل تھا، دماغ گھوم گیا۔ ٹھنڈا پانی پی کر سکون ملا۔ ٹائٹل والی نظم ''میں کچھ بھی کہہ نہ پایا'' اچھی تھی، لیکن یہ پہلے کسی رسالے میں چھپ چکی ہے۔ مجھے آپ کا رسالہ بہت پسند ہے۔

(اقرا آرائیں۔ سندھ پبلک اسکول، کراچی)

☆ہائیں! کس رسالے میں بھلا!؟

میں ''ذوق وشوق'' کا نیا قاری ہوں اور خط پہلی مرتبہ لکھ رہا ہوں۔ ''بلاعنوان'' کہانی بہت پسند آئی۔ اسے پڑھ کر فوراً عمل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ''موٹو کا علاج'' کہانی بھی بہت پسند آئی۔ اس کے علاوہ تمام کہانیاں بہت پسند آئیں۔ نظموں نے تو مزہ ہی کرادیا۔ خطوط بھی بہت پسند آئے۔ مدیر چچا! یہ میرا پہلا خط ہے۔

(حافظ عبدالصور۔ جامعہ احیاء العلوم، حاصل پور)

☆خوش آمدید!

ماشاء اللہ! فروری کا شمارہ تو ہر لحاظ سے زبردست تھا۔ کئی ماہ بعد ''ذوقِ مصوری'' نظر آئی۔ اچھی تھیں۔ اس شمارے کی جان دار، میرا مطلب ہے شان دار تحریریں ''جی امی جان!''، ''قصور وار کون؟'' اور ''محبت نگر کا پل'' تھیں۔ ٹائٹل والی نظم ''میں کچھ بھی کہہ نہ پایا'' اس سے پہلے ایک رسالے میں شائع ہوچکی ہے۔ اس کے علاوہ تمام خطوط اچھے لگے۔ غرض ہمیشہ کی طرح پورا شمارہ کمال کا تھا۔ آخر میں آپ سے ایک درخواست ہے کہ ''ذوقِ مصوری'' ہر ماہ شائع کیا کریں۔ پلیز، میرے اس مختصر سے تبصرے کو اور مختصر مت کیجیے گا۔

(حفصہ محمد اشفاق۔ سندھ پبلک اسکول، کراچی)

فروری کے شمارے میں تمام تر تحریریں مختصر پُراثر کا رنگ دِکھا رہی تھیں۔ ہر تحریر میں جان تھی۔ ''بلاعنوان'' اور ''قصور وار کون؟'' نے تو بہت ہی متاثر کیا۔ سرورق نظم ایک کھلکھلاتی اور حقیقت بتاتی نظم تھی۔ انعامی سلسلوں میں اس بار ''سوال آدھا، جواب آدھا'' کا جواب آدھا ہی رہ گیا۔ بہت مشکل تھا۔ اپنا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے پوچھا کہ آپ بتائیں ''سال نامہ'' کب نکالیں؟ تو میری رائے یہ ہے کہ مئی میں نکالیں، تاکہ رمضان کے ساتھ ساتھ عید کا

بھی ایڈوانس میں تحفہ ہوجائے اور اس ''سال نامے'' کے لیے مزید گزارش یہ ہے کہ انعامی تبصرے کا سلسلہ بھی ہونا چاہیے اور بنت محمد جاوید صاحبہ کی تجزیاتی رپورٹ بھی ہونی چاہیے۔ (حافظ محمد اشرف۔ جامعہ احیاء العلوم، حاصل پور)

☜ فروری کا شمارہ اچھا لگا۔ کہانی ''بلاعنوان'' نے خوش دلایا۔ ''نئے لکھاری'' اس دفعہ خاص نہیں لگے۔ ''سوال آدھا، جواب آدھا'' شروع کا آسان لگا۔ ''ذوقِ معلومات'' بھی مشکل لگا۔ ''پانچ سو کے پیچھے'' نے اچھا سبق دیا۔ مدیر صاحب! میں پہلی مرتبہ خط لکھ رہا ہوں، اسے ضرور شائع کیجیے گا۔ ہماری والدہ کے لیے اور ہم سب گھر والوں کے لیے صحت کی دعا ضرور کیجیے گا۔

(حافظ محمد زید کرنالوی۔ مدرسہ بیت العلم، کراچی)

☆ خوش آمدید! اللہ تعالیٰ تمام بیماروں کو شفائے کامل وعاجل وآجل نصیب فرمائے۔

☜ فروری کا شمارہ جیسے ہی ملا، فوراً پڑھ ڈالا۔ ''علیک سلیک'' میں جس کا ذکر کیا گیا بحمد اللہ! ہم بھی کرتے ہیں۔ ''بلاعنوان'' شمارے کی سب سے بہترین کہانی تھی۔ علاوہ ازیں، تمام کہانیاں بھی بہت عمدہ تھیں۔ نظموں نے تو رسالے کو دو چاند ہی لگا دیے۔ چار چاند تو نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ نظمیں دو تھیں۔ ''شکر پارے'' بہت زبردست تھے۔ پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ خطوط میں اپنا خط دیکھ کر یوں لگا جیسے کوئی قلعہ سر کرلیا ہو۔ (حافظ محمد عبداللہ شاہد۔ حاصل پور)

☜ انکل! میں ''ذوق وشوق'' کی بہت پرانی قاریہ ہوں، مگر خط لکھنے کی جسارت پہلی بار کررہی ہوں۔ اس رسالے کے تمام سلسلے ہی لاجواب ہیں، بل کہ پورا رسالہ ہی لاجواب ہے۔

(طوبیٰ فاروق کرنالوی۔ جامعہ علوم اسلامیہ، کراچی)

☆ خوش آمدید!

☜ فروری کا رسالہ میرے سامنے ہے۔ ''علیک سلیک'' میں آپ نے بالکل درست نشان دہی کی۔ رسالے میں اس مرتبہ ''بلاعنوان'' کے علاوہ ''پانچ سو کے پیچھے'' اور ''موٹو کا علاج'' بھی بہترین کہانیاں تھیں۔ ''شکر قندی'' سے اس کے فوائد معلوم ہوئے۔ ''شرارت بیتی'' بھی زبردست تھی۔ ''پانی کہانی'' تو ویسے ہی شان دار جارہی ہے۔ کھیلوں میں ''سوال آدھا، جواب آدھا'' کافی مشکل ہوتا ہے۔ ''نئے لکھاریوں'' نے بھی اچھا لکھا۔ ''خط جو آپ کا ملا'' میں حافظ ابوبکر نے صحیح مشورہ دیا کہ شعر وشاعری ہونی چاہیے۔ خطوط میں تمام رساجد نے زبردست خط لکھا اور جو بات تھی، وہی لکھی۔ (محمد احمد اسلم۔ کراچی)

☜ فروری کے شمارے میں ''نئے لکھاری'' کی کہانیاں بہت اچھی اور سبق آموز تھیں۔ ''جھوٹوں کے جھوٹے'' کی کیا بات ہے۔ ''سوال آدھا، جواب آدھا'' میں جوابات دس ضروری ہیں یا چار پانچ جواب بھی گزارہ کرجاتے ہیں؟

(عمارہ عثمان راؤ۔ مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن، ڈسکہ)

☆ پورے دس۔

☜ فروری کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ ''محبت نگر کا پل''، ''سمندر کا سفر''، ''موٹو کا علاج'' بہت اچھی کہانیاں تھیں۔

(رضوان رشید۔ چترال)

☜ ''ذوق وشوق'' میں پہلی مرتبہ خط لکھ رہا ہوں، امید ہے کہ شائع بھی ہوگا۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ خاص طور پر ''بلاعنوان'' بہت اچھی اور سبق آموز کہانی تھی۔ نظمیں پڑھ کر مزہ آیا۔ انعامی سلسلے کچھ مشکل تھے۔ خطوط میں مدیر صاحب کی بیماری کا پڑھ کر دل سے ان کے لیے دعا نکلی۔ اللہ پاک مدیر صاحب کو صحت عطا فرمائے۔ (ابن محمد شاہد۔ جامعہ احیاء العلوم، حاصل پور)

☆ خوش آمدید اور آمین!

☜ شمارۂ فروری میں تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ ''جی امی جان!''، ''شرارت بیتی''، ''پانچ سو کے پیچھے'' بہت زبردست تھیں۔ ''شکر قندی'' سے معلومات ملیں۔ ''شکر پارے'' بھی اچھے تھے۔ (محمد عمر راؤ۔ کلورکوٹ)

☜ فروری کا سرورق بہت خوب صورت اور حسین تھا۔ ''محبت نگر کا پل'' کہانی سب سے زیادہ بھائی۔ ''بلاعنوان'' بھی خوب تھی۔ ''موٹو کا علاج'' بھی کافی دل چسپ تھی۔ ''جی امی جان!'' نے تو دل ہی موہ لیا۔ نظمیں دونوں زبردست تھیں، بل کہ ''میں کچھ کہہ نہ پایا'' نے تو لطف کے ساتھ ساتھ ایک بہترین سبق بھی دیا۔ ''قصوروار کون؟'' بھی کافی سبق آموز تھی۔ ''یوں نہ کیجیے'' ایک معصوم سی کہانی تھی۔ ''شکر قندی'' سے کافی معلومات ملیں، چوں کہ ابھی میری عمر بھی ۱۲ برس ہے، اس لیے یقیناً یہ میری طرح ہر بچے کو پسند ہوگی۔ ''پانچ سو کے پیچھے''، ''صف شکن'' اور ''سیرت کہانی'' بھی اَن مول تھیں۔ ''غلطی کہانی'' پر جو انعام آپ نے رکھا وہ بہت اچھا ہے اور بہتر بھی، مگر انعام یافتگان کے نام تو شمارۂ اپریل میں دیے جائیں گے تو کیا تین شمارے اپریل کے بعد ملیں گے؟ ''خط جو آپ کا ملا'' میں ''سیر سپاٹا نمبر'' کے حوالے سے ڈھیر تبصروں پر مشتمل تمام قارئین کے خطوط پڑھ کر اچھا لگا۔ شمارۂ فروری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ کی اور پوری ٹیم کی محنت کا اندازہ ہوا۔ اس بار کا شمارہ کافی دل لگی اور دل جمعی سے پڑھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا اور آخرت کی تمام کام یابیوں سے ہم کنار فرمائے اور آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین! ہمیں تو بس اب ''سال نامے'' کا انتظار ہے!

(صالح علی مرزا۔ جامعہ رحیمیہ حسینیہ، کلورکوٹ)

احتیاطی تدابیر

قانتہ رابعہ۔ گوجرہ

''امی جان! ہماری کلاس میں ایک نیا بچہ آیا ہے میاں چنوں سے۔ اس کے بابا پائلٹ ہیں اور اُس کے تایا سول ہسپتال کے ایم۔ ایس ہیں۔''

اسکول سے واپسی پر زید نے اپنی امی کو بتایا۔ اسے اسکول میں ہونے والی ہر چھوٹی بڑی بات اپنی امی جان کو بتانے کی عادت تھی اور ایک لحاظ سے یہ اچھی بات تھی، جہاں اصلاح کی ضرورت ہوتی تو امی اصلاح بھی کر دیتیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بہت سی باتیں امی کو بتانے کی وجہ سے بہت فائدے میں رہا۔ وہ کسی کی امارت سے مرعوب ہوتا تھا نہ کسی اور چیز سے۔ بس محنت کرنے والے اسے اچھے لگتے اور وہ ان کی صحبت میں رہنا پسند کرتا۔

آج پتا نہیں کیا بات ہوئی کہ وہ کلاس میں آنے والے نئے بچے کی بات یوں بتا رہا تھا جیسے اس سے مرعوب ہو۔ امی جان کے کان کھڑے ہو گئے۔ سب کام چھوڑ کر اُس سے سوال کیا:

''زید بیٹے! آپ یہ فیصلہ کر لیں آپ کو اسکول میں آنے والا نیا بچہ اچھا لگا ہے، اس کے تایا ابو کا ایم۔ ایس ہونا یا پھر اُس کے والد کا پائلٹ ہونا۔''

زید نے لمبا سانس لیا:

''وہ..... اصل میں امی جان! وہ بچہ بتا رہا تھا کہ اس کے بابا اکثر دوسرے ممالک میں جاتے ہیں، کبھی امریکا، کبھی انگلینڈ، کبھی سعودی عرب۔'' اس کے لہجے میں حسرت اور آنکھوں سے رشک ہی رشک ٹپک رہا تھا۔ پہلے ایسے کبھی نہیں ہوا تھا۔ امی نے زید کو غور سے دیکھا اور پوچھا: ''تو بیٹے! اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ پائلٹ ہیں تو ضرور جاتے ہوں گے۔''

''اور امی جان!'' زید ایک دم کچھ یاد آنے پر جوش سے بولا۔ ''اس کے بابا اس کے لیے جوتے اٹلی سے لاتے ہیں۔ وہ بتا رہا تھا کہ اٹلی کے جوتے دنیا میں سب سے عمدہ ہوتے ہیں۔ اس کے سوئیٹر اور جرسیاں انگلینڈ سے آتی ہیں۔ اس کی ہر چیز اُس کے بابا باہر سے لاتے ہیں۔ اس نے ہر وقت اپنا منہ ماسک سے ڈھانپا ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی سے ہاتھ ملائے تو فوری طور پر اُس صابن سے ہاتھ دھوتا ہے جو اُس کے بابا امریکا سے لاتے ہیں۔ اگر واش روم قریب نہ ہو اور لنچ بریک ہو جائے تو اُس کے پاس وائپز ہوتے ہیں، بہت اچھی خوش بو والے، جن سے وہ ہاتھ صاف کرتا ہے تو دیر تک اس کے ہاتھوں سے خوش بو آتی رہتی ہے۔''

زید کی بات سن کر امی جان نے گہری سانس لی اور پیار سے سمجھایا کہ اس کے بابا کی ملازمت ایسی ہے کہ وہ جہاں جاتے ہیں اپنے گھر والوں کو یاد رکھتے ہوں گے۔

اس کے بعد آئے دن زید اُس بچے، جس کا نام حیدر تھا، کی کوئی نہ کوئی بات بتاتا: ''امی جان! اس کے تایا ابو نے منع کیا ہے کہ بازار کی چیز نہیں کھانا تو وہ بتا رہا تھا کہ میں نے کبھی بھی بازار کی چیز نہیں کھائی۔ اس نے آج تک منرل واٹر کے علاوہ پانی نہیں پیا۔ اس کے تایا اسے نزلے جیسی بیماری میں بھی دوسروں سے ہاتھ ملانے نہیں دیتے۔ وہ بتاتا ہے کہ ان کے ہاں گھر میں مسالا جات پسوانے کا کام ان کی دادی اماں کی نگرانی میں ہوتا ہے۔'' کبھی کہتا کہ ''حیدر نے ہم سب کو بتایا ہے کہ وہ روزانہ تایا ابو کے ساتھ صبح کی سیر کرتا ہے۔ عید کے دن بھی اس کے تایا ناغہ نہیں کرتے۔ مینہ ہو یا آندھی، وہ ہر حال میں صبح کی سیر تایا کے ساتھ کرتا ہے۔ امی جان! جب سے کرونا وائرس کی وبا پھیلی ہے اس کی احتیاط حد سے زیادہ ہوگئی ہے۔ اس کا ماسک روزانہ ہی نیا ہوتا ہے۔ بقول اس کے: بابا اس کے لیے پچاس ماسک فرانس سے لے کر آئے ہیں اور پانی بھی۔''

''پانی!؟'' امی جان نے حیرت سے پوچھا۔

''جی امی جان! اس نے کہا کہ وہاں کا پانی دنیا میں سب سے ہلکا اور زود ہضم ہوتا ہے۔''

''اچھا بھئی۔''

امی نے ٹالا۔

''امی! اس کے پاس انفیکشن سے بچاؤ کے لیے کئی طرح کی چیزیں ہیں۔ کئی طرح کے ماسک، دستانے اور بھی بہت کچھ ہے۔''

پھر حکومت نے کرونا کی وجہ سے چھٹیوں کا اچانک اعلان کر دیا۔ پہلا دن زید نے خوب جی بھر کر آرام کیا، پھر رسالے لے کر بیٹھ گیا۔ وہ مزے مزے کی کہانیاں اور لطیفے پڑھتا رہتا تھا اور ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتا رہتا تھا۔ ایک دن ابا جان بہت غم زدہ انداز میں بولے:

''آیئے بیٹا! میرے ساتھ چلیے۔''

''کہاں ابو جان!؟'' زید نے پوچھا۔

''آپ کے استاد محترم کا فون آیا تھا کہ آپ کے ساتھی حیدر کا رات کو انتقال ہو گیا ہے۔'' ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''کس کا ابو جان!؟'' زید گنگ رہ گیا۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

''حیدر کا۔'' وہ افسردگی سے بولے۔ ''چلو، میرے ساتھ، میں اس کی طرف جا رہا ہوں۔''

''حیدر!'' زید حیرت سے چیخا۔

''حیدر کو کیا ہوا ابو جان!؟ وہ تو ٹھیک تھا۔ اسے کیا ہوا ابو جان!؟ وہ تو ہر وقت ماسک پہنتا تھا۔ وہ بازار کی چیز نہیں کھاتا تھا۔ ابو جان! وہ تو کہتا تھا کہ میرے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہوا۔ ہائے ابو جان! وہ، وہ.....'' زید رو رہا تھا۔ خود ابو جان کے آنسو بہہ رہے تھے، اسے کیا کہتے۔

''کیا پرہیزی کھانا کھانے والوں کو، فرانس کا پانی پینے والوں کو، ورزش اور سیر کرنے والوں کو ملک الموت لینے نہیں آسکتا۔ ارے، پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جانے کا وقت لکھ دیا ہے۔ کس نے کب اور کہاں سے رخصت ہونا ہے؟ یہ کاتب تقدیر نے پیدا ہونے سے پہلے لکھ دیا ہے۔

احتیاط بہت اچھی بات ہے، مگر احتیاطی تدابیر موت سے تو نہیں بچا سکتیں۔ بچانے والی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جب تک جانے کا لمحہ نہ آجائے، گویا موت ہی زندگی کی سب سے بڑی محافظ بن جاتی ہے۔

اے کاش! ہم۔ میں سے ہر ایک کا اس پر کامل یقین ہو اور احتیاطی تدابیر کے ساتھ اپنی اصلاح پر بھی زور صرف کریں۔ اے کاش!''

انھوں نے آنسو پونچھے اور زید کا ہاتھ تھامے گاڑی میں بیٹھ گئے۔

اعلان برائے ''شکر پارے''

شکر پارے کے لیے بھیجا جانے والا لطیفہ ایسا ہو کہ:

☆ اس میں اہل علم، علما کرام اور دین کے شعبے سے تعلق رکھنے والے احباب کا مذاق یا بے ادبی کا پہلو نہ ہو۔

☆ اس میں کسی فرد یا قوم کا مذاق نہ اڑایا گیا ہو۔

☆ اس میں کسی پیشے کا مذاق نہ اڑایا گیا ہو۔

☆ اس میں استاد کی بے ادبی کا پہلو نہ ہو۔

☆ اس میں والد کی بے ادبی کا پہلو نہ ہو۔

☆ اس میں والدہ کی بے ادبی کا پہلو نہ ہو۔

23 March
2019

Start With
Bismillah
End With
Alhamdulilah
Appreciate With
Masha Allah
Hope With
Insha Allah

BEST
MAGAZINE

PAKISTAN AIR FORCE
PAF

ذوق
شوق

Hafsa Ashfaq
Sindh Public Programs
School Kar

ذوقِ
مصوری

دونوں
برانچوں میں

KID'S

Collection shoes

Annual
SALE
STARTING 10th JAN
SUNDAY OPEN

DISPLAY ITEM 10% OFF

اسکول شوز ہر سائز میں۔۔۔چھ ماہ کی گارنٹی کے ساتھ۔۔۔

New Discount Price

~~2990~~	800
~~2490~~	700
~~1990~~	600
~~1490~~	500

Branch 1
Shop No. 9, Star Centre, Near Chawla Centre, Main Tariq Road Karachi. Ph: 021-34315359

Branch 2
Shop No. 1, Saima Paari Glorious Opp: Sindh Lab, Main Tariq Road, Karachi. Ph: 021-34382622

NEW OPENING
HAND BAGS
20% OFF

She shoes

Shoes for ladies and kids

10% OFF

ON ALL DISPLAY ITEMS
LIMITED TIME OFFER

SCHOOL SHOES & PT SHOES
AVAILABLE ONLY 790/=

FANCY CLUTCH
& WALLET

KIDS	LADIES
500	700
600	800
700	900
800	1000
	1100
	1200

Annual
SALE
STARTING 7th Feb
SUNDAY OPEN

ذوق و شوق
میگزین ساتھ لائے
اسپیشل
10%
ڈسکاؤنٹ

Shop No. 14-15, Lavish Mall, Opp. Rabi center,
Main Tariq Road, Karachi. Tel.: 0213-4547778, 0213-34327331

کوپن برائے

بلا عنوان ۱۵۶

نام: ولدیت:

مکمل پتا:

فون نمبر:

کوپن برائے

ذوقِ معلومات ۵۴

نام: ولدیت:

مکمل پتا:

فون نمبر:

سوال آدھا جواب آدھا ۱۱

نام: ولدیت:

مکمل پتا:

فون نمبر:

کوپن برائے

بچو! اس کا نام بتانا ۲

نام: ولدیت:

مکمل پتا:

فون نمبر:

ہدایات: جوابات ۳۱ اگست ۲۰۲۰ تک ہمیں موصول ہو جانے چاہئیں..... ☆ ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا.....

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

پیارے بچوں کے لیے
پیاری کتابیں

مکتبہ بیت العلم

فدا منزل، نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی۔
+92-312-3647578 ، +92-21-32726509

117 الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔
+92-321-4361131 ، +92-42-37112356

ای میل: mbikhi.pk@gmail.com، ویب سائٹ: www.mbi.com.pk

سلسلہ

تحفۃ الدعاء

دعا عظیم نعمت اور انمول تحفہ ہے، دعا اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس سے راز و نیاز کا ذریعہ ہے، دعا مایوسی میں امید کی کرن ہے، دعا کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام مسائل حل کروا سکتے ہیں، اس دنیا میں کوئی بھی انسان کسی بھی حال میں دعا سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

اسی فکر کے پیشِ نظر "مکتبہ بیت العلم" نے تحفۃ الدعا سیریز کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! اس سیریز کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں۔

MaktabaBaitulilm

بیت العلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk